ہندوستان کی بزرگ ہستیاں

حصہ اوّل

صفدر حسین

ہندوستان کی بزرگ ہستیاں

حصہ اوّل

صفدر حسین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ـ 110025

پہلی اشاعت	:	1997
تیسری طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/13 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	769

Hindustan Ki Buzurg Hastiyan I
By
Safdar Hussain

ISBN : 978-81-7587-696-5

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

گوتم بدھ	7
شنکر آچاریہ	18
معین الدین چشتی اجمیری	24
گرو نانک	33
فرید الدین گنج شکر	45
میرا بائی	52
سنت تلسی داس	62
دیانند سرسوتی	69
رام کرشن پرماہنس	80

گوتم بدھ

حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے سے تقریباً پانچ سو سال پہلے نیپال کی ترائی میں ایک بڑی ریاست تھی جس پر راجہ شو دودھن راج کرتے تھے۔ ان کی راجدھانی کا نام کپل وستو تھا. ان کے پاس بھگوان کا دیا سب کچھ تھا لیکن اولاد نہ ہونے کی وجہ وہ ہمیشہ اداس رہتے تھے۔ راجہ شو دودھن کی دو رانیاں تھیں۔ رانی مہامایا اور رانی گوتمی.

راجہ اولاد کے لیے ہر روز بھگوان سے دعا کرتے تاکہ ان کے بعد راج پاٹ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہو. دن گزرتے گئے مہارانی مہامایا کی عمر چالیس سال کی ہوگئی، تب بھی انھیں اولاد کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا.

ایک رات رانی مہامایا نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے

چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ محل کے باہر کھیل رہے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر دوڑتی ہوئی محل سے باہر گئیں اور ایک بچّے کو گود میں اٹھا کر اسے پیار کیا اس کے بعد ہی کیا دیکھتی ہیں کہ سارے لوگ غائب ہو گئے اور وہ اکیلی اُداس ہو کر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی محل میں واپس آگئیں۔

صبح مہارانی نے اپنے خواب کا ذکر راجہ سے کیا۔ بھلا راجہ اس خواب کا مطلب کیا سمجھ سکتا؟ اس نے پنڈتوں سے اس خواب کا مطلب پوچھا۔ پنڈتوں نے بتایا کہ مہارانی کو لڑکا پیدا ہوگا۔ جو آگے چل کر ایک بہت بڑا آدمی بنے گا۔ یہ اگر راجہ بنے گا تو ساری دنیا پر راج کرے گا اور راجہ نہ بنے تو دنیا سے برائیوں کو دور کرے گا اور بھلائی کے کام میں اپنی ساری زندگی گزار دے گا۔

راجہ یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ آخر اس نے پوچھا کہ کیا میرا لڑکا دنیا چھوڑ دے گا؟ پنڈتوں نے کہا کہ ہاں! وہ دنیا چھوڑ دے گا اگر وہ کوئی بیمار آدمی کو دیکھے، دوسرے یہ کہ اگر وہ کوئی بوڑھا آدمی دیکھے، تیسرے یہ کہ اگر وہ کسی کو مرتا دیکھے اور چوتھے یہ کہ اگر وہ کسی سنیاسی سے ملے۔ یہ باتیں سن کر راجہ بہت فکر میں پڑ گیا۔

آخر ایک سال کے بعد مہارانی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ ساری ریاست میں خوشیاں منائی گئیں۔

راجہ تو بہت خوش تھا لیکن سدھارتھ کے پیدا ہونے کے سات روز بعد ہی ان کی ماں مہامایا کا انتقال ہوگیا۔

راجہ کو مہارانی کی موت سے بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے اولاد کا سکھ تو دیکھ لیا لیکن مہارانی ان سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی تھیں۔

راجہ کی دوسری بیوی گوتمی نے سدھارتھ کو اپنا ہی بچہ سمجھ کر بڑی محبت سے ان کی پرورش کی۔

جب سدھارتھ پانچ سال کے ہوگئے تو راجہ نے ان کی تعلیم کا بندوبست کیا سدھارتھ بچپن ہی سے بہت ہوشیار تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے لکھائی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ہتھیار چلانا، رتھ ہانکنا اور گھوڑے کی سواری بھی اچھی طرح سیکھ لی۔ اگرچہ یہ کہ سدھارتھ تیر چلانا اور شکار کھیلنا اچھی طرح جانتے تھے لیکن انھوں نے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کسی جاندار کی جان نہیں لی۔

سدھارتھ راجہ کے بیٹے تھے۔ انھیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ کئی نوکر چاکر تھے ہر قسم کا آرام تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ اکیلے رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں اکیلے بیٹھے سوچ بچار کیا کرتے۔ ان کو بس ہمیشہ یہی

فکر رہتی کہ دنیا کو کس طرح دکھ درد سے چھٹکارا دلایا جائے۔

راج کمار سدھارتھ کی یہ حالت دیکھ کر راجہ کو بہت فکر رہنے لگی۔ اور انھیں پنڈتوں کی تمام باتیں یاد آنے لگیں۔ انھیں ڈر تھا کہ کہیں سدھارتھ گھر بار چھوڑ کر سنیاسی نہ بن جائے۔ اسی لیے انھوں نے سدھارتھ کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اب راج کمار سدھارتھ کی عمر اٹھارہ سال کی ہو گئی تھی۔ راجہ نے ریاست میں جتنی نیک اور خوب صورت لڑکیاں تھیں سب کو محل میں بلایا اور سدھارتھ سے اپنی دلہن پسند کرنے کے لئے کہا سدھارتھ نے کسی لڑکی کو زیور دئے کسی کو کچھ تحفہ دیا اور جب ان کے ماموں کی لڑکی یشودھرا کی باری آئی تو انھیں ایک پھول دیا۔ جب راجہ کو خبر ملی کہ راج کمار نے یشودھرا کو پھول دیا ہے تو ان ہی سے سدھارتھ کی شادی کر دی گئی۔

سدھارتھ کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی وہ ہر وقت اُن کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے اور کبھی محل سے باہر نہیں نکلتے۔ اس طرح دونوں کی زندگی ہنسی خوشی سے بسر ہونے لگی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ راج کمار سدھارتھ کو محل کے باہر کی دنیا دیکھنے کا شوق ہوا۔ انھوں نے اپنے رتھ بان چنّا کو رتھ تیار کرنے حکم دیا اس نے راج کمار کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن سدھارتھ نہ ملنے

جب وہ رتھ میں سوار ہو کر کپل وستو کی گلیوں سے گزر رہے تھے تو انھیں راستہ میں ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا۔ وہ لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا۔ سدھارتھ نے چنّا سے رتھ روکنے کے لیے کہا اور پوچھا "یہ کون ہے؟" چنّا نے جواب دیا "راج کمار، یہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔" چوں کہ راج کمار نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بوڑھا آدمی دیکھا تھا اسی لیے انھوں نے چنّا سے پوچھا "کیا سب لوگ اسی طرح بوڑھے ہو جاتے ہیں۔" چنّا نے کہا ہاں، سرکار! یہ دنیا ہمیشہ ایک سی حالت پر نہیں رہتی۔ جو آج جوان ہے وہ کل ضرور بوڑھا ہوگا۔" چنّا کی یہ بات سُن کر راج کمار بہت اُداس ہو گئے۔ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر محل واپس چلے آئے۔

دوسری مرتبہ اسی طرح ایک دن جب وہ محل سے باہر گئے تو انھیں راستہ میں ایک بیمار آدمی دکھائی دیا۔ سدھارتھ نے اس وقت تک کوئی بیمار دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے رتھ بان چنّا سے پوچھا "ارے! چنّا یہ کون ہے؟" اس نے کہا "راج کمار، یہ ایک بیمار آدمی ہے۔" پھر سدھارتھ نے پوچھا "انسان بیمار کیوں ہو جاتا ہے؟" چنّا سٹپٹایا کہ آخر کیا جواب دے۔ پھر اس نے رُکتے رُکتے کہا "راج کمار، سب انسان کبھی نہ کبھی بیمار ہوتے ہیں اور بیمار ہونے کے بعد مر جاتے ہیں۔"

پھر سدھارتھ آگے بڑھے تو ایک لاش پر نظر پڑی لوگ اُسے کندھوں پر اٹھائے لیے جا رہے تھے. پھر راج کمار نے چنّا سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ موت پر کسی کا بس نہیں چلتا اور ہر آدمی ایک نہ ایک دن مرنے والا ہے. یہ سُن کر راج کمار خاموش ہو گئے اور سوچنے لگے کہ دنیا میں انسان خوشی کی زندگی کیسے بسر کر سکتا ہے ؟

اب ان کو دنیا سے نفرت ہو گئی تھی اور اسے چھوڑ دینے کی ترکیبیں سوچنے لگے. ان ہی دنوں سدھارتھ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا اُس دن وہ خوش رہنے کے بجائے اُداس رہے. بچے کے پیدا ہونے کی خوشی کس کو نہیں ہوتی لیکن سدھارتھ نے سوچا کہ یہ ایک نیا بندھن پیدا ہو گیا ہے.

کچھ دن بعد آخر وہ ایک رات اپنی بیوی اور بچے کو سوتا چھوڑ کر محل سے نکل پڑے. کچھ دور جا کر رات کے اندھیرے میں انھوں نے اپنے سارے زیور اتار کر پھینک دئے. قیمتی کپڑوں کی جگہ پھٹی پرانی دھوتی پہن لی. تلوار سے اپنے بال کاٹ کر پھینک دئے اور اس طرح راج کمار سے فقیر بن گئے۔

محل سے نکل کر وہ سیدھے جنگل کی طرف چل دئے. وہاں انھیں

ایک سنیاسی ملا جس نے اُن کو اپنا چیلہ بنالیا۔ اُس سنیاسی کے پاس رہ کر انھیں بہت محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی۔ انھیں پیٹ بھر کھانے کو نہ ملتا تھا جس سے وہ بہت کمزور ہو گئے سدھارتھ نے سوچا کہ اس طرح بھی خوشی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ وہ کئی سادھو سنیاسیوں سے بھی ملے۔ کئی دنوں تک بھوکے پیاسے رہے لیکن کسی طرح بھی انھیں شانتی نہ ملی۔ بارہ سال تک اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے آخر کار وہ ایک مقام "گیا" پہنچے۔ یہاں وہ ایک پیپل کے درخت کے نیچے خدا کے دھیان میں بیٹھ گئے۔ کہیں سے ایک لڑکی اُدھر آنکلی۔ اس کا نام سجاتا تھا۔ اُس نے جب سدھارتھ کی یہ حالت دیکھی جو سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے، تو سجاتا کو بڑا ترس آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے کھلایا پلایا تو سدھارتھ کی سمجھ میں آیا کہ اپنی جان کو دکھ دینے سے کیا فائدہ؟ آدمی کھائے پیئے، بات چیت کرے مگر کوئی پاپ نہ کرے۔

اسی پیپل کے درخت کے نیچے کئی دن بھگوان کے دھیان میں بیٹھنے کے بعد انھیں ایک روز روشنی نظر آئی جس کی انھیں تلاش تھی۔ اور اسی دن سے لوگ انھیں "مہاتما بدھ" کے نام سے پکارنے لگے۔

یہ پیپل کا درخت آج بھی "بودھی درخت" کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ہر سال بدھ مذہب کے پیرؤں بہت بڑا

میلہ لگتا ہے۔

سدھارتھ مہاتما بدھ بن جانے کے بعد اپنے دھرم کا پرچار کرنے لگے۔ اب ان کی شہرت ہر طرف پھیلنے لگی۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ جو کوئی مہاتما گوتم بدھ کی نیک باتیں سنتا ان کا پیرو بن جاتا۔ اس طرح بڑے بڑے راجہ مہاراجہ بھی گوتم بدھ کے چیلے بن گئے۔

چند سال بعد مہاتما گوتم بدھ اپنی راجدھانی کپل وستو گئے یہاں ان کے سوتیلے بھائی آنند کا بیاہ ہو رہا تھا۔ آنند نے گوتم بدھ کی باتیں سنیں تو بیاہ چھوڑ کر بھائی کے چیلے بن گئے پھر گوتم بدھ اپنے والد راجہ دشدودھن، اپنی بیوی یشودھرا اور بچے سے بھی ملے وہ سب کے سب ان کے چیلے بن گئے۔ پھر اس کے بعد تو کپل وستو کے سارے لوگ گوتم بدھ کے پیرو بن گئے۔

مہاتما گوتم بدھ کی اس شہرت کو دیکھ کر بعض ناسمجھ لوگ انھیں خدا سمجھ بیٹھے۔

ایک مرتبہ ایک غریب عورت کا بچہ مر گیا۔ اس مرے ہوئے اکلوتے بچے کو بیچاری کلیجے سے لگائے پھر رہی تھی۔ کسی نے اس سے کہہ دیا کہ گوتم بدھ مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ عورت بھاگی بھاگی مہاتما بدھ کے پاس پہنچی۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی " اے بھگوان

بدھ! میرا بچہ زندہ کر دو"۔ مہاتما بدھ نے کہا "یہ کیا مشکل ہے۔ تم کہیں سے مٹھی بھر رائی کے دانے لے آؤ مگر دیکھو کسی ایسے گھر سے لانا جس کا کوئی آدمی مرا نہ ہو"۔ عورت دوڑی دوڑی ایک امیر کے دروازے پر پہنچی اور مٹھی بھر رائی کے دانے مانگے۔ امیر کی بیوی نے کہا "جتنا تمھارا جی چاہے لے جاؤ"۔ عورت نے پوچھا "پہلے یہ بتاؤ کہ تمھارے گھر کا کوئی آدمی مرا تو نہیں؟" امیر کی بیوی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ابھی مہینہ بھی نہیں گزرا کہ میرا شوہر مرگیا"۔ عورت نے رائی کے دانے واپس کر دئے۔ اور پھر ایک غریب کے دروازہ پر پہنچی۔ گھر میں سے ہنسی کی آواز آرہی تھی۔ عورت نے سوچا اس گھر سے کیوں نہ مانگوں جہاں خوشی ہی خوشی ہے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو معلوم ہوا کہ اس گھر کا بھی بڑا لڑکا مرگیا ہے۔ وہ اسی طرح کئی گھروں پر گئی لیکن اسے کوئی ایسا گھر نہ ملا جس کا کوئی آدمی نہ مرا ہو۔ آخر کار اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ ہر ایک کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ اور اس طرح اس کا غم ہلکا ہوا۔

مہاتما بدھ کپل وستو میں دو ماہ تک رہے یہاں سے اپنے پیروؤں کو دور دور کے مقامات کو بھیجا تاکہ وہ بدھ مذہب کا پرچار کریں۔ اور وہ خود ایک جنگل میں رہنے کے لیے چل دیے۔

اسی جنگل میں ایک ڈاکو۔ انگولی مالا رہا کرتا تھا، جو بھی وہاں سے

گزرتا اسس کو مار ڈالتا تھا. مہاتما بدھ اکیلے ہی جنگل میں انگولی مالا کے غار کے پاس پہنچے. انگولی مالا نے مہاتما بدھ کو دیکھ کر اپنی تلوار نکالی اور ان کو مارنے کے لیئے ہاتھ اٹھایا. لیکن اس کا ہاتھ وہیں رک گیا. پھر مہاتما بدھ نے اسس کو نیک راستہ پر چلنے کی نصیحت کی. چنانچہ انگولی مالا اسی وقت ان کا پیرو بن گیا اور نیک زندگی گزارنے لگا.

اب گوتم بدھ اس جنگل سے نکل کر بدھ مذہب کا پرچار کرتے ہوئے سارے ملک میں پھرنے لگے. وہ جہاں بھی جاتے لوگ ان کی نیک باتیں سنتے ہی ان کے پیرو بن جاتے.

گوتم بدھ کی یہ شہرت دیکھ کر ان کا ایک رشتہ کا بھائی دیو داتا ان سے جلنے لگا. اور ان کو قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی لیکن جب اسے کامیابی نہ ہوسکی تو آخر کار ایک مرتبہ اس نے ایک مہاوت کو لالچ دے کر گوتم بدھ کو مروانے کی کوشش کی. مہاوت نے جب ہاتھی کو مہاتما بدھ کی طرف ہانکا تو وہ بالکل پریشان نہ ہوئے. جب ہاتھی نے بڑھ کر ان کو اپنی سونڈ میں اٹھا لینا چاہا تو مہاتما بدھ نے ہاتھی کی سونڈ پر ہاتھ سے تھپکا تو وہ فوراً بیٹھ گیا اور اپنی سونڈ مہاتما کے قدموں پر رکھدی.

مہاتما گوتم بدھ نے ہر برائی کا مقابلہ اچھائی سے کیا. ان کے دھرم کا خاص اصول سچ بولنا اور جانوروں پر رحم کرنا ہے.

گوتم بدھ کہا کرتے تھے کہ ماں باپ اور گرو کی خدمت کرو۔ ان کا حکم مانو اور اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرو۔ ذات پات کا خیال بالکل بیکار بات ہے۔ سب انسان آپس میں برابر ہیں۔

گوتم بدھ اپنے دھرم کا پرچار کرتے ہوئے شہر کوسی نارا کے قریب ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے کچھ تھکن محسوس کی اور آرام کرنے کے لیے زمین پر لیٹ گئے اور اپنے بھائی آنند سے تھوڑا سا پانی لانے کے لیے کہا پانی پیتے ہی گوتم بدھ نے کہا کہ اب میری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ آنند اور دوسرے پیرؤں نے یہ سن کر دو درختوں کے بیچ ان کے لیے بستر بنایا اور مہاتما بدھ کو اس پر لٹا دیا اور کچھ ہی دیر بعد مہاتما گوتم بدھ کا انتقال ہو گیا اور وہیں ان کو جلایا گیا۔ ان کی راکھ کو مختلف مقامات پر بھیجا گیا۔ جہاں اسے دفن کر کے اس پر اسٹوپا بنائے گئے اور آج بھی بدھ مذہب کے پیرو یاترا کے لیے جاتے ہیں۔ ان سب میں بڑا اسٹوپا رانچی میں ہے۔

اسّی برس کی عمر تک مہاتما گوتم بدھ دنیا کو سچائی کا سبق دیتے رہے اور اپنے دھرم کا پرچار کرتے رہے آج بھی جبکہ ان کو مرے ہوئے ڈھائی ہزار برس گزر چکے ہیں ان کے پیرو نہ صرف ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں بلکہ جاپان، ملایا، برما اور سیلون میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

شنکراچاریہ

سوامی شنکر آچاریہ ۷۸۸ء میں دکن کے ایک قصبہ چیتاہر میں پیدا ہوئے. اُن کی پیدائش کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے.
کہتے ہیں کہ راجا مرگ نارائن نے پورنا ندی پر شیو جی کا مندر بنوایا تھا. اس مندر کے پجاری کے بیٹے شیو گرو کے کوئی اولاد نہیں تھی. اس کی بیوی امبیکا کو بیٹے کی بہت آرزو تھی. اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم شیو جی کی پوجا کرو تو بھگوان کی کرپا سے ہمارے گھر ضرور لڑکا ہوگا. اولاد کے لیے دونوں شیو کا برت رکھنے لگے اور پوجا کرنے لگے اور ویسا ہی ہوا. چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام شیو جی کے نام پر شنکر رکھا.
شنکر بچپن ہی سے ایسی باتوں پر غور کرنے لگے جو بڑوں کو بھی مشکل سے سمجھ میں آتی تھیں۔

جب وہ آٹھ سال کے ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا. والد کی موت سے ننھے شنکر کے دل پر سخت چوٹ لگی. اب وہ اداس رہنے لگے. اکثر گاؤں کے باہر جنگل میں چلے جاتے. وہ اپنے خیالات میں بعض وقت اتنے کھو جاتے کہ انھیں اپنے جسم تک کا خیال نہ رہتا.

ادھر اُن کی یہ حالت تھی اور ادھر باپ نے مرتے وقت بیٹے اور بیوی کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا. ماں نے بڑی مصیبتوں سے اپنے لاڈلے اور ہونہار بیٹے کی پرورش کی خود تکلیف اٹھا کر بیٹے کو شاستروں کی تعلیم دلائی. اس ذہین بچے نے ۱۶ سال کی چھوٹی عمر میں تمام علم حاصل کرلیا اور اس کے علم اور قابلیت کے چرچے سارے دکن میں ہونے لگے.

یہ وہ زمانہ تھا جب کے مذہب میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں تھیں. وہ دیس میں گھوم پھر کر ان خرابیوں کو دور کرنا چاہتے تھے اور گھر بار چھوڑ کر پرچار کے لئے باہر جانا چاہتے تھے لیکن اُن کی ماں کسی طرح انھیں اجازت نہیں دیتی تھیں.

بیٹے کے یہ ارادے دیکھ کر ماں شنکر کو شادی کے بندھن میں جکڑنے کی تدبیریں کرنے لگیں. اور لڑکی کی تلاش شروع کردی

شنکر نے جب یہ دیکھا کہ ماں ان کے فرض کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا چاہتی ہیں تو گھر سے بھاگ کھڑے ہونے کی ترکیبیں سوچنے لگے اور موقع کا انتظار کرنے لگے۔

ایک دن وہ اپنی ماں کے ساتھ کسی دوسرے گاؤں کو جارہے تھے۔ راستہ میں ایک ندی ملی۔ ندی میں پانی کم تھا۔ ماں بیٹا دونوں ندی میں اتر پڑے۔ اور جب بیچ میں پہنچے تو ندی کا پانی چڑھ گیا دونوں ڈوبنے لگے اس وقت بیچ ندی میں شنکر نے ایک غیبی آواز سنی کہ "اگر شنکر سنیاسی بن جائے تو ندی کا پانی گھٹ سکتا ہے۔" شنکر نے اس غیبی آواز کے بارے میں اپنی ماں کو بتایا۔ وہ یہ سن کر رونے لگیں موت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھ کر والدہ نے انھیں سنیاسی بننے کی اجازت دے دی مگر انھوں نے ایک شرط بھی لگادی کہ وہ جب چاہیں شنکر کو دیکھ سکیں۔

ندی کا پانی گھٹ گیا اور دونوں باہر نکل آئے شنکر نے ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ان کے حکم پر چلنے کی قسم کھائی۔ ماں نے کلیجہ پر پتھر رکھ کر شنکر کو گھر چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ شنکر جی گھر سے نکل کر سیدھے ایک سنیاسی، گوبند یاد کے آشرم گئے۔ جو دریائے نربدا کے کنارے تھا۔ گوبند یاد نے انھیں

اپنے آشرم میں رکھ لیا. اس آشرم میں رہ کر شنکر جی یوگ اور کرما کی تعلیم پانے لگے تھوڑے ہی عرصے میں وہ پورے پنڈت بن گئے اور ان کی قابلیت کو دیکھ کر استاد بھی حیرت کرنے لگے.

۱۶ سال کی عمر ہی میں انھوں نے "بھگوت گیتا" "برہم سترا" اور "اپنشد" کو دوبارہ لکھنا شروع کیا.

ان کی عمر کے بیس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ بنارس گئے اور یہاں کے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اپنی قابلیت سے حیران کر دیا اور اب وہ "شنکر آچاریہ" کہلانے لگے اور ان کے پیروں کی تعداد بھی بڑھنے لگی.

اس کے بعد ہی اپنے چند پیروں کو ساتھ لے کر شنکر آچاریہ بنارس سے پریاگ گئے اور یہاں گنگا جمنا کے سنگم پر "کمبھ میلے" کی ابتدا کی. یہ میلہ اب بھی ہر بارہ سال کے بعد پابندی سے لگتا ہے اور لاکھوں لوگ ہندوستان کے کونے کونے سے اس میں شریک ہونے کے لیے آتے ہیں.

پریاگ میں ایک بڑے پنڈت کماریلا بھاٹا سے ان کی مذہب پر بحث ہوئی. کماریلا بھاٹا ہار گئے مگر انھوں نے شنکر آچاریہ کو اپنے شاگرد منڈانا مصرا سے بحث کرنے کے لیے نربدا ندی کے کنارے

مہیش پتی بھیجا.

نند اتا مصرا سے بھی بحث ہوئی. بہت سے لوگ بحث سننے کے لئے جمع ہو گئے تھے اور مصرا کی بیوی ابھا بھارتی جو خود بھی کافی پڑھی لکھی تھی ان دونوں کے ہار جیت کا فیصلہ کرنے کے لیے جج مقرر ہوئیں کئی دنوں تک دونوں میں بحث ہوتی رہی اور آخر کار ابھا بھارتی نے شنکر آچاریہ کے حق میں فیصلہ دیا.

اب ابھا بھارتی نے شوہر کا بدلہ لینے کے لیے شنکر آچاریہ سے بحث کرنا شروع کیا اور شنکر آچاریہ نے اس کو بھی ہرا دیا. اس کے بعد ہی دونوں میاں بیوی اُن کے پیرو بن گئے. اب شنکر آچاریہ جی جہاں بھی جاتے ان کی قدر ہونے لگی. راجا اور پرجا سب ہی ان کے پیرو بننے لگے.

ان کی اس شہرت سے دوسرے برہمن پنڈت جلنے لگے اور جب شنکر آچاریہ جی پرچار کرتے ہوئے آسام پہنچے تو وہاں انہیں زہر دینے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بچ گئے.

ان پنڈتوں کی شرارتوں کے باوجود شنکر آچاریہ جی نے ملک کے چپہ چپہ میں گھوم کر ہندو دھرم کا پرچار کیا اور انھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں ہندو مذہب کو ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا.

ہندو مذہب کے پرچار کے لئے سوامی شنکر آچاریہ نے چار مٹھ قایم کیے. ان کے یہ چاروں مٹھ آج بھی موجود ہیں. بدریکا آشرم میں جوشی مٹھ، مدھیاجن میں شرنگری مٹھ، دوارکا اور کانجی میں وشنو مٹھ. ان تمام مٹھوں کے مہانت جگت گرو شنکر آچاریہ تھے.

ملک میں سچائی اور نیکی کا پرچار کرنے کے بعد وہ ہمالیہ کے دامن میں بدر کا آشرم گئے. سوامی شنکر آچاریہ ابھی ۳۲ سال کے نہ ہونے پائے تھے کہ ایک دن ہمالیہ میں وہ کدار ناتھ کے ایک غار میں گئے اور پھر کبھی واپس نہ آئے. اس طرح بہت جلد ہندوستان کے ایک بہت بڑے پنڈت اور نیک انسان کو بھگوان نے اپنے پاس بلالیا.

گو سوامی شنکر آچاریہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اب بھی ان کی یاد لاکھوں انسانوں کے دلوں میں باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی.

معین الدین چشتی اجمیری

یوں تو ہندوستان میں بہت سے بزرگ گزرے ہیں. لیکن خواجہ معین الدین اجمیری بہت مشہور ہوئے۔ ہندوستان کا بچہ بچہ ان کو جانتا ہے. خواجہ صاحب اجمیر کے نہ تھے لیکن اجمیر میں ان کی درگاہ ہونے کی وجہ سے یہ "اجمیری" کہلانے لگے. خواجہ صاحب ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتے تھے. اس لیے لوگ انھیں "خواجہ غریب نواز" بھی کہتے ہیں۔

خواجہ صاحب کو انتقال کیئے تقریباً آٹھ سو برس گزر چکے ہیں. مگر آج بھی سب لوگ بڑی عزت اور ادب سے اُن کا نام لیتے ہیں۔ ان کی درگاہ پر روزانہ ہزاروں آدمی زیارت کے لیئے آتے ہیں. ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی غرض کہ ہر مذہب کے لوگوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ پر ایک میلہ لگا ہوا ہے۔

ہر سال عرس کے موقع پر تو لاکھوں آدمی ہندوستان اور پاکستان سے آتے ہیں. ہر مذہب کے لوگوں کی خواجہ صاحب سے اس قدر محبت دیکھ کر ہندوستان کے انگریز وائسرائے لارڈ کرزن نے آج سے کئی سو سال پہلے اپنے ایک دوست کو خط میں لکھا تھا کہ "ہندوستان میں ایک قبر حکومت کرتی ہے اور یہ قبر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ہے"۔

خواجہ صاحب ہندوستان سے بہت دور ملک عراق کے ایک گاؤں سنجر میں ۱۱۴۲ء میں پیدا ہوئے. ان کے والد غیاث الدین حسن بہت مالدار تھے. انھوں نے خواجہ صاحب کو بڑے لاڈ و پیار سے پالا ان کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی. بچپن ہی میں خواجہ صاحب نے قرآن شریف زبانی یاد کر لیا تھا.

جب وہ گیارہ سال کے ہوئے تو ان کے والدین کا انتقال ہو گیا ان کے دو بھائی اور تھے والد کی جائیداد سے ایک انگور کا باغ اور ایک پن چکی ان کے حصہ میں آئی. خواجہ صاحب خود باغ کا کام کرتے تھے اور اپنے خرچ کے لئے تھوڑی سی رقم رکھ کر باغ کی ساری آمدنی غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے.

ایک روز ایک بزرگ ابراہیم قلندر ان کے باغ میں آئے

خواجہ صاحب نے ان کو بہت عزت بٹھایا اور انگور کھانے کے لئے پیش کیے۔ ان بزرگ نے انگور کھانے کے بعد اپنی تھیلی میں سے تھوڑی کھلی نکالی اور خواجہ صاحب کو کھلائی اس کھلی کے کھاتے ہی خواجہ صاحب کو دینا سے نفرت ہو گئی۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۵ سال تھی۔

اس واقعہ کے بعد انھوں نے اپنا باغ اور پن چکی بھی بیچ دی اور ساری رقم خدا کے نام پر خیرات کر دی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ سمرقند پہنچ کر وہ اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے لگے ۲۴ سال کی عمر میں وہ ہر قسم کی تعلیم پوری طرح حاصل کر چکے تھے۔ اب وہ ایک ایسے استاد کی تلاش میں نکل پڑے جو انھیں سچائی کا راستہ دکھا سکے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر پھرتے ہوئے وہ بہت سے بزرگوں سے ملے۔ قصبہ جیلان میں ایک بہت بڑے بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے پاس پانچ مہینے تک رہے۔

جب وہ نیشاپور پہنچے تو لوگوں نے انھیں ایک بزرگ خواجہ عثمان کا پتہ بتایا جو ہارون میں رہتے تھے۔ خواجہ صاحب وہاں پہنچے اور ان کے مرید بن گئے۔ خواجہ عثمان ہارون نے ان کو ایک ٹوپی اور کمبل دیا اور کہا، سامنے جو اینٹ پڑی ہے اٹھاؤ" خواجہ صاحب کے ہاتھ لگاتے ہی وہ اینٹ سونے کی ہو گئی خواجہ صاحب نے اسی وقت

اس سونے کو غریبوں میں تقسیم کر دیا.

۲۰ سال تک خواجہ صاحب اپنے مرشد کی خدمت کرتے رہے. جب بھی ان کے مرشد کہیں جاتے تو خواجہ صاحب ان کا سامان کاندھے پر اٹھا کرے جاتے اور ایک وفادار نوکر کی طرح ان کا حکم بجالاتے. خواجہ صاحب اپنے مرشد کے ساتھ حج کے لیے مکّہ اور مدینہ بھی گئے.

بیس سال مرشد کے ساتھ رہنے کے بعد خواجہ صاحب سفر پر روانہ ہونے لگے تو مرشد نے ان کو ہدایت کی کہ "دیکھو معین الدین! کبھی کسی چیز کا لالچ نہ کرنا. شہر کی بھیڑ بھاڑ سے دور رہنا اور ہمیشہ نیکی اور سچائی کی تعلیم دینا."

مرشد سے بچھڑ کر خواجہ صاحب شہر بغداد پہنچے. یہاں پر شیخ عبدالقادر جیلانی سے ان کی دوبارہ ملاقات ہوئی. انھوں نے کچھ دن خواجہ صاحب کو مہمان رکھا پھر ان سے کہا کہ "ہندوستان جاؤ اور وہاں کے لوگوں کو نیکی اور سچائی کا راستہ دکھاؤ.

بغداد سے نکل کر ہمدان، تبریز، اصفہان اور ہرات سے ہوتے ہوئے وہ سبزدار پہنچے. یہاں ایک باغ میں ٹھہر گئے. یہ باغ سبزدار کے حاکم کا تھا جو بڑا ظالم تھا. حاکم کے نوکروں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ وہ باغ سے چلے جائیں کیوں کہ حاکم آنے والا ہے.

خواجہ صاحب نے کہا "تم فکر مت کرو اور دیکھو کیا ہوتا ہے"۔ حاکم جب باغ میں آیا تو خواجہ صاحب کو بیٹھا دیکھ کر غصہ ہوا اور کہا کہ اس فقیر کو یہاں کیوں بیٹھنے دیا۔ خواجہ صاحب نے جب اس کی طرف نظر اٹھائی تو حاکم کانپنے لگا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ پھر خواجہ صاحب نے حوض کا پانی لے کر اس پر چھڑکا تو حاکم کو ہوش آیا۔ حاکم نے ان کے پیر پکڑ لیے اور معافی مانگی اور لوگوں پر ظلم نہ کرنے کا وعدہ کیا۔

بلخ، غزنی اور لاہور سے ہوتے ہوئے خواجہ صاحب دہلی پہنچے۔ وہ دو مہینے تک دہلی میں رہے۔ یہاں انھوں نے ایک دن ایک لڑکے کو تیر کمان سے شکار کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ "یہ لڑکا بڑا ہو کر دہلی کا بادشاہ بنے گا۔ اس لڑکے کا نام شمس الدین تھا جو بعد میں شمس الدین التمش کے نام سے مشہور ہوا اور دہلی کا بادشاہ بنا۔

دہلی سے خواجہ صاحب اپنے چالیس ساتھیوں کو لے کر اجمیر روانہ ہوئے۔ اور شہر اجمیر کے باہر ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ اُن دنوں پرتھوی راج اجمیر کا راجہ تھا۔ راجہ کے لوگوں نے خواجہ صاحب کو وہاں ٹھہرنے نہ دیا کیوں کہ وہاں جنگل سے راجہ کے اونٹ آکر بیٹھتے تھے خواجہ صاحب نے وہ جگہ چھوڑ دی اور انا ساگر کے کنارے ٹھہر گئے۔

دوسرے دن جب نوکروں نے راجہ کے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو

وہ بالکل نہ اٹھے. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے چمٹ گئے ہیں تین روز تک اونٹ ویسے ہی بیٹھے رہے. راجہ کے نوکر پریشان ہو کر خواجہ صاحب کے پاس آئے اور ان سے معافی مانگی. خواجہ صاحب نے کہا کہ" اونٹ خدا کے حکم سے بیٹھ گئے تھے، جاؤ اب اونٹ خدا کے حکم سے کھڑے ہو جائیں گے"۔ راجہ کے نوکروں نے جب واپس جا کر دیکھا تو سچ مچ اونٹ کھڑے تھے.

اناساگر کے کنارے جہاں خواجہ صاحب ٹھہرے ہوئے تھے. راجہ کا ایک خاص مندر بھی تھا مندر کے پجاریوں کو خواجہ صاحب کا وہاں ٹھہرنا پسند نہ آیا. اس لیے پجاریوں کے سردار رام دیو نے بہت سے جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ جادو کے زور سے انھیں ہٹا دیں. اس زمانے میں اجمیر میں جادو کا بہت زور تھا. سیکڑوں جادوگر جمع ہو کر ان پر جادو کرنے لگے. خواجہ صاحب نے جس جادوگر پر بھی نظر ڈالی اس کی زبان بند ہو گئی اور سارے جادوگر بے ہوش ہو ہو کر گر پڑے. خواجہ صاحب کی یہ کرامت دیکھ کر رام دیو نے ان سے معافی مانگی اور ان کا پیرو بن گیا.

جب اس واقعہ کی خبر راجہ کو ہوئی تو اس نے کہا کہ یہ کوئی بہت بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں. انھیں نہ چھیڑو. کیوں کہ وہ کسی کو ستاتے نہیں

اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ ایک سچے بزرگ ہیں۔ اور دوسروں کو تکلیف دینا ان کے مذہب میں گناہ ہے لیکن پنڈتوں نے راجہ کی بات نہ مانی اور جے پال کے پاس گئے جو اس زمانے کا سب سے بڑا جادوگر تھا۔ اس کو سارا قصہ سنایا اور کہا کہ خواجہ صاحب کو وہاں سے ہٹا دے۔

جے پال اپنے ساتھ ہزاروں جادوگر لے کر انا ساگر کے کنارے آیا۔ راجہ بھی تماشا دیکھنے کے لیے آیا تھا جے پال نے اپنے جادو سے خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں پر انگارے اور سانپ بچھو برسائے مگر خواجہ صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انگارے بجھ گئے اور سارے سانپ بچھو مر گئے۔ اس سے جے پال بہت شرمندہ ہوا اور دوسرا جادو کرنے کے لیے سوچنے لگا۔ اتنے میں خواجہ صاحب نے انا ساگر تالاب پر نظر ڈالی تو تالاب کا سارا پانی غائب ہو گیا اور سارے شہر اجمیر کے چشمے اور باولیاں خشک ہو گئے۔ پھر خواجہ صاحب نے دوسری نظر تالاب پر ڈالی تو تالاب پھر پانی سے بھر گیا۔ یہ دیکھ کر سارے جادوگر راجہ اور اس کی فوج سب بھاگ گئے۔ صرف جے پال رہ گیا۔ اس نے خواجہ صاحب سے معافی مانگی اور ان کا پیرو بن گیا۔

اس واقعہ کے بعد ہندو مسلمان سب ہی ان کی عزت کرنے لگے

لوگ ہزاروں کی تعداد میں خواجہ صاحب کے پاس آنے اور اُن کے مُرید ہوتے۔
خواجہ صاحب ہر ایک کو نیکی اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے. انھیں دنیا داری سے سخت نفرت تھی وہ ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتے تھے. خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے پھٹا پرانا لباس پہنتے اور ہمیشہ پیدل سفر کرتے تھے. مصیبت کے وقت ہر ایک کی مدد کرتے کبھی کسی پر غصہ نہ ہوتے غریبوں کی خدمت کرنے کے بعد جو وقت بچتا وہ خدا کی عبادت کرنے اور قرآن شریف پڑھنے میں گزارتے تھے.
وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ خدا سے نزدیک ہونے کے لیے غریبوں کی مدد کرنا چاہیے. اور مدد کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے. وہ یہ کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، ننگے کو کپڑا پہناؤ اور سب سے محبت کا برتاؤ کرو. غریبوں سے محبت کرنے سے ہی خدا مل سکتا ہے.
یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب اور ہر ذات کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے اور آج بھی ان کی ویسی ہی عزت کی جاتی ہے جیسے ان کی زندگی میں کی جاتی تھی۔
۹۳ سال کی عمر تک خواجہ صاحب خدا کی عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت کرتے رہے۔
کہتے ہیں کہ ایک دن خواجہ صاحب اپنے عبادت کے کمرہ میں دروازہ

بند کر کے بیٹھ گئے اور رات بھر عبادت کرتے رہے اور قرآن شریف پڑھتے رہے صبح جب ان کے مریدوں نے نماز کے وقت کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار دروازہ توڑا گیا۔ اندر جاکر دیکھا تو خواجہ صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

خواجہ صاحب نہ بادشاہ تھے نہ ہی بادشاہ کے بیٹے۔ لیکن ان کی نیکی، ان کی عبادت اور غریبوں کے ساتھ محبت کا سلوک ایسا تھا کہ آج بھی مرنے کے کئی سو سال بعد ہر سال اُن کے مزار پر ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی دور دور سے پہنچ کر اجمیر آتے ہیں اور ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔

خواجہ اجمیری کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خدا سے سچی محبت کرنے والوں کا نام مرنے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

گرونانک

جب گرونانک پیدا ہوئے تو ہندوستان میں ایک پٹھان بادشاہ ابراہیم لودھی حکومت کرتا تھا جس کی وجہ سے اس زمانے میں پٹھانوں کا بڑا زور تھا.

گرونانک کے والد کالورام بیدی ذات کے کھتری تھے. اور ابراہیم لودھی کی سرکار میں پٹواری تھے. گاؤں میں ان کی ایک چھوٹی سی دکان بھی تھی.

نومبر ۱۴۶۹ء میں تلونڈی گاؤں میں جو اب "ننکانہ صاحب" کہلاتا ہے، کالورام کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا. لوگوں کا بیان ہے کہ جس وقت یہ پیدا ہوا تو ایسا شوروغل معلوم ہوا جیسا کسی بادشاہ کی سواری آتے وقت ہوتا ہے.

کالورام کا یہ بچہ شروع ہی سے بڑا ہونہار تھا اور اس کی صورت بھی

بڑی موہنی تھی۔ اس بچہ کا نام نانک تھا اور یہی نانک بعد کو "گرو نانک" کہلانے لگے۔ اور ہر مذہب کے لوگ ان کی عزت کرنے لگے۔

اس زمانے میں ہندو اور مسلمان بہت میل ملاپ اور محبت سے رہتے تھے۔ مسلمان مولویوں کے پاس ہندو اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے بھیجتے تھے۔ مسجد اور مندر دونوں ان کی نظر میں برابر تھے۔

جب گرو نانک کا پاٹ شالہ میں جی نہ لگا تو انھیں مسجد میں مولوی صاحب کے پاس بھیجا گیا یہ مولوی صاحب مولانا سید حسین تھے جن سے نانک نے بہت کچھ سیکھا۔

نانک جب ذرا بڑے ہوئے تو ان کے والد نے چاہا کہ وہ کوئی کام شروع کریں۔ انھوں نے نانک کو پہلے اپنے جانوروں کو چرانے کے کام پر لگایا اور کبھی کبھی کھیت پر جانوروں کی رکھوالی کے لیے بھیجا کرتے تھے نانک جنگل کے خوبصورت نظاروں میں کھو جاتے۔

ایک مرتبہ وہ ان ہی نظاروں میں گم تھے کہ ان کے جانور پڑوسی کے کھیت میں گھس گئے اور ساری فصل چٹ کر گئے۔ پڑوسی بہت غصہ ہوا اور ان کے والد سے شکایت کی جب نانک سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ فصل کو بالکل نقصان نہیں پہنچا۔ پڑوسی اس پر اور بگڑا۔ لیکن نانک کے والد جانتے تھے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے اور جب کھیت پر جاکر سب نے دیکھا تو کھیت کو ذرا بھی دھکا نہ پہنچا تھا۔

نانک اپنا اکثر وقت جنگل میں گزارتے تھے۔ ان کے گاؤں تلونڈی کے پاس ہی گھنے جنگلوں میں اکثر فقیر، سادھو ٹھہرتے تھے۔ بابا نانک سب کام کاج چھوڑ کر ان کے پاس جا بیٹھتے۔ ان سے قصے، کہانیاں سنتے اور دھرم کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔

ان کے والد نے نانک کی یہ حالت دیکھ کر انھیں حساب کی تعلیم دلائی اور تجارت کے کام میں لگانا چاہا لیکن نانک کا دل شروع ہی سے دنیا کے کاروبار میں نہیں لگتا تھا۔

ایک دن ان کے والد نے انھیں کاروبار کے سلسلے میں چالیس روپے دے کر دوسرے گاؤں بھیجا اور ایک آدمی بھی ساتھ کر دیا راستہ میں انھیں چند فقیر ملے جو بھوکے تھے۔ فقیروں کو دیکھ کر نانک صاحب کے دل میں رحم آیا اور انھیں روپے دینے لگے۔ فقیر بولے "بابا ہم تو بھوکے ہیں۔ روپیہ لے کر کیا کریں گے؟ ہمیں تو روٹی چاہیئے" یہ سن کر نانک فوری شہر گئے اور ان روپوں کا آٹا دال خریدا اور پکوا کر سب بھوکے فقیروں کو کھلایا۔

اس طرح جب وہ خالی ہاتھ گھر پہنچے تو ان کے والد بہت خفا ہوئے اور پوچھنے لگے کہ روپوں کا کیا کیا؟ نانک نے سارا حال سُنا دیا اور کہا کہ آپ نے مجھے روپے نفع کمانے کے لیے دے تھے اور میں

نے ان سے دوسری دنیا کے لیے نفع کما لیا۔

کاروبار سے نانک کی بے پروائی اور فقیروں کی خدمت پر کتنی ہی مرتبہ ان کے والد نے سزا دینی چاہی مگر ماں نے بیٹے کو پٹنے سے بچا لیا کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو بہت زیادہ چاہتی تھیں۔

نانک کے والد نے اُن سے بیزار ہو کر انھیں اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس بھیج دیا جو کپور تھلہ کے علاقہ سلطان پور میں رہتے تھے۔

وہاں ان کے بہنوئی نے سفارش کر کے نوکری دلا دی۔ ملازمت کیا ملی ان کی خیرات اور بڑھ گئی۔ یہاں بابا نانک کو جو تنخواہ ملتی اس میں سے تھوڑی رکھ کر باقی سب غریبوں میں تقسیم کر دیتے اب تو وہ دل کھول کر خیرات کرنے لگے۔ آخر کار ان پر چوری کا الزام لگا کر حساب پوچھا گیا لیکن جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس کے حساب میں کمی کب آتی ہے؟ حساب ہوا تو الٹا ان ہی کا روپیہ زمیندار پر نکلا۔

ان کا اب جی یہاں کے کام میں بھی نہ لگتا تھا۔ آخر سب نے رائے دی کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ گھر بار کا بوجھ پڑے گا تو آپ ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ چودہ سال کی عمر میں ان کی شادی کر دی گئی اور بعد میں وہ دو بچوں کے باپ بھی بن گئے مگر بیوی بچوں کے

ساتھ رہ کر بھی بابا نانک کی طبیعت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اب بھی دنیا سے اتنے ہی بے پرواہ تھے اور انھیں سادھوؤں اور فقیروں سے ہی ہی لگن تھی۔

ایک دن صبح سویرے وہ دریا پر نہانے گئے اور ایسی ڈبکی لگائی کہ کہیں پتہ نہ لگا۔ ڈھونڈنے والے ہار گئے اور یہ سمجھ لیا کہ بابا نانک ڈوب گئے۔ تین دن کے بعد نہ جانے کہاں سے گھوم پھر کر وہ پھر سلطان پور واپس آ گئے۔

سکھوں کا تو عقیدہ ہے کہ اس غوطے میں شری گرو نانک خدا کے پاس گئے تھے اور انھیں وہ روشنی نظر آئی جس کی ان کو ایک عرصے سے تلاش تھی۔

واپس آکر انھوں نے جو کچھ اپنے پاس تھا سب خدا کے نام پر خیرات کر دیا۔ اب نوکری بھی چھوڑ دی اور خدا سے لَو لگا کر سب سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ وہ سارا وقت جنگل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے خدا کو یاد کرتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ انھوں نے دنیا سے کنارہ کر لیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ان کی بیوی اپنے بچوں کو لے کر میکہ چلی گئیں۔

اب نانک جی گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو خدا کے بارے میں بتانے

لگے۔ وہ ہر ایک سے کہتے کہ "خدا ایک ہے، کوئی اس کا ساتھی اور ساجھی نہیں کسی دیوی دیوتا کو نہ پوجو، خدا کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ ہندو، مسلمان، سب انسان ایک خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔"

گرونانک بتاتے تھے کہ ہر مذہب کے لوگوں سے مل جل کر رہو اور کسی سے بیر نہ رکھو۔ گرونانک کے دو خادم تھے ان میں ایک مسلمان تھا جس کا نام مردانہ تھا، دوسرا ہندو تھا اس کا نام تھا بالا دونوں ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے اور کسی وقت بھی ان سے الگ نہ ہوتے تھے چاہے بھوکے رہیں چاہے مصیبت ہو یا آرام۔

جس وقت گرونانک چپ چاپ خدا کے دھیان میں بیٹھ جاتے اور خدا سے لو لگا کر آنکھیں بند کر لیتے تو مسلمان خادم انھیں اللہ کی یکتائی کے گیت سناتا۔ جس سے گرونانک کے دل میں خدا کی لگن اور زیادہ ہو جاتی۔

گرونانک لوگوں کو نیکی کا سبق دیتے ہوئے نہ صرف ہندوستان کے علاقوں میں گئے بلکہ ہندستان سے باہر بھی جنوب میں لنکا تک گئے، مشرق میں آسام اور پوری تک اور مغرب میں ایران اور عرب کا دورہ کیا۔ گرونانک نے مکہ اور مدینہ کی بھی زیارت کی تھی۔ وہ ایک مدت تک بابا فرید کی خدمت

یں رہ کر فقیری کے طریقے سیکھتے رہے۔

جب وہ سفر پر روانہ ہوتے راستہ میں فقیروں سے ضرور ملتے۔ ان سے بحث کرتے اور خدا کو ڈھونڈنے کے نئے نئے راستے سیکھتے اور سکھاتے جاتے تھے۔ اپنے سفر کے زمانے میں انھوں نے نہ جانے کتنے چوروں، ڈاکوؤں، لٹیروں اور برے آدمیوں کو سیدھے راستہ پر لگایا۔

سارے مقامات کا دورہ کرنے کے بعد وہ گھر آئے۔ لیکن گاؤں سے باہر ہی ٹھہرے۔ اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کو وہیں بلوا کر ملے۔ ان سب نے انھیں مجبور کیا کہ وہ گاؤں ہی میں رہ جائیں۔

وہاں ایک مالدار آدمی نے ان کے لیے کھانا بھجوایا۔ لیکن انھوں نے اس امیر آدمی کے بھیجے ہوئے کھانے کے بجائے ایک غریب بڑھئی جو کھانا لایا اسے کھانا پسند کیا۔ جب اس امیر آدمی نے اس کا کھانا نہ کھانے کی وجہ پوچھی تو گرونانک نے اس کے بھیجے ہوئے کھانے میں سے ایک روٹی لے کر اپنی انگلیوں سے دبایا تو اس روٹی سے خون ٹپکنے لگا اور پھر انھوں نے غریب کے کھانے سے ایک روٹی لے کر اس کو بھی دبایا اس سے دودھ نکلنے لگا۔ یہ دیکھ کر امیر آدمی بہت شرمندہ ہوا۔ گرونانک اسے یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ غریبوں پر ظلم کر کے روپیہ کمانا غریبوں کا خون پینے کے برابر ہے۔

جب وہ اپنے گاؤں سیتہ پور سے واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں مغلوں کا ایک لشکر ملا فوجی سپاہیوں نے بابا نانک اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن جب بابر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ گرو نانک ایک بہت بڑے بزرگ ہیں تو انھیں عزت کے ساتھ رہا کر دیا اور کہا کہ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس علاقے میں ایسے بزرگ موجود ہیں تو اُسے کبھی برباد نہ کرتا۔"

یہ مشہور ہے کہ بادشاہ بابر کو گرو نانک نے یہ دعا دی تھی کہ تیری اولاد سات پشت تک اس ملک کی بادشاہت کرے گی اور ویسا ہی ہوا۔

گرو نانک نے ہندوں اور مسلمانوں دونوں کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔

دورہ کرتے کرتے جب گرو نانک راولپنڈی کے قریب حسن ابدال پہنچے تو ایک پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گئے۔ لیکن وہاں پانی نہ تھا۔ ان کے خادم مردانہ نے کافی تلاش کیا لیکن کہیں پانی کا نشان نہ ملا تو آخر کار مردانہ نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا بہت اوپر جانے کے بعد اسے ایک چشمہ ملا۔ وہاں ایک بزرگ باوا ولی بیٹھے ہوئے نظر آئے جب مردانہ نے ان سے کہا کہ نیچے ایک بہت بڑے بزرگ گرو نانک آئے ہوئے ہیں اور

ان کو پانی کی ضرورت ہے تو باوا دلی بڑے بزرگ کا نام سن کر برہم ہو گئے اور غصّہ میں کہنے لگے کہ جب وہ بڑے بزرگ ہیں تو اپنے لیے ایک چشمہ کیوں نہیں بنا لیتے؟

خادم نے واپس آکر جب سارا ماجرا سنایا تو گرو نانک نے وہیں پہاڑ کے دامن میں کھودنا شروع کیا کچھ ہی دیر بعد پانی نکل آیا۔ اتفاق کی بات کہ اس چشمہ کا تعلق اوپر کے چشمہ سے تھا۔ جیسے ہی نیچے کے چشمے میں پانی نکل آیا، اوپر کے چشمہ میں پانی آنا بند ہو گیا۔ اس سے باوا دلی اور برہم ہو گئے اور انھوں نے غصہ میں اوپر سے ایک بڑا سا پتھر گرو نانک کی طرف لڑھکا دیا۔ وہ پتھر بڑی تیزی سے گرو نانک کی طرف آرہا تھا اور اگر گرو نانک اپنے ہاتھ سے اس پتھر کو نہ روک لیتے تو شاید وہ ان کو ختم کر دیتا جب گرو نانک نے اس پتھر کو اپنے ہاتھ سے روکا تو اس پر ان کے پنجہ کا نشان بن گیا۔ اس پتھر پر گرو نانک کے ہاتھ کا نشان آج تک موجود ہے۔ جو "پنجہ صاحب" کہلاتا ہے اور آج بھی ہزاروں لوگ اسے دیکھنے جاتے ہیں اور اس مقدس چشمے میں نہاتے ہیں۔

گرو نانک کی تعلیم بہت سادہ اور دل میں اتر جانے والی

تھی۔ ایک خدا پر ان کا پکا ایمان تھا، دنیا کو آنی جانی اور مٹنے والی چیز سمجھتے تھے۔ گرو نانک کہتے تھے کہ "اس دنیا کو مٹنے والی چیز سمجھو خدا کو راضی رکھو اور اس کی یاد میں رہو ہم سب کو پیدا کرنے والا بس ایک ہے اور اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس نے ہر ایک کے دل میں اپنا نور پیدا کیا ہے اس لیے نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات سب سے اونچی اور پاک ہے۔

گرو نانک کہا کرتے تھے کہ اگر کسی کو سچائی کی تلاش ہو تو وہ خدا کو یاد کرے اور اس کی مرضی کے سامنے اپنے آپ کو پورے طور پر جھکا دے۔

گاؤں گاؤں پھر کر گرو ناک ایک خدا کا پرچار کرتے رہے جب دنیا کا سفر ختم ہوا اور موت کا وقت قریب آیا تو وہ ضلع گورداس پور میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور وہاں ایک دھرم شالہ بنوایا۔ اس دھرم شالہ کا نام انھوں نے کرتار پور رکھا۔ یہاں آنے کے بعد انھوں نے اپنے بال بچوں کو بلوالیا اور جو چیلے سارے دیس میں جا بجا پھیلے ہوئے تھے انھیں بھی جمع کر لیا۔ چند روز تک لوگوں کے دلوں کو اپنی نیک باتوں اور نصیحتوں سے روشن کرتے رہے۔ ستر برس کی عمر تک ہندو مسلمانوں

کوایک ہو جانے کی تعلیم دیتے رہے اور آخر ۱۵۳۹ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

گرونانک کی نیک تعلیم کا اثر ہر ایک پر ہوا چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا۔ تو ہندو کہتے تھے کہ وہ ہمارے تھے اور مسلمان کہتے تھے کہ وہ ہمارے تھے ہندوؤں نے انھیں جلانا چاہا اور مسلمانوں نے انھیں دفن کرنا چاہا اور اس کے لیے ایک جھگڑا شروع ہو گیا لیکن اس جھگڑے کے دوران جب لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ آخر کپڑے کے دو ٹکڑے کیے گئے ہندؤں نے کپڑے کے ایک ٹکڑے کو جلایا اور مسلمانوں نے دوسرے کو دفن کیا۔ مسلمانوں نے ان کا مقبرہ بنایا اور ہندوؤں نے سمادھی!

گرونانک نے اپنے ماننے والوں کو "سِکھ" کا نام دیا۔ یعنی سیکھنے والا یا شاگرد۔ اسی لیے گرونانک کے ماننے والے "سِکھ" کہلاتے ہیں۔

سکھوں کی عبادت گاہ کو گرودوارہ کہتے ہیں ان کا سب سے بڑا گرودوارہ امرتسر میں ہے۔ یہ گرودوارہ " دربار صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔

جس کتاب میں گرونانک کی نیک باتیں اور ان کی تعلیم لکھی گئی ہے وہ "گرنتھ صاحب" کہلاتی ہے.

گرونانک ہندو مسلمان کے ملاپ کا ایک نمونہ تھے اسی لیے لوگ ان کے متعلق کہتے ہیں.

گرونانک شاہ فقیر
ہندو کا گرو مسلمان کا پیر

فریدالدین شکر گنج

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں. ان کے والد کابل سے آکر ملتان میں بس گئے تھے. فریدالدین بابا ملتان کے ایک قصبہ کھتی وال میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ سلیمان قاضی تھے ان کی والدہ بی بی قرسم خاتون بہت نیک عورت تھیں.

کہتے ہیں کہ ان کے پیدا ہونے سے ایک دن پہلے ابر کی وجہ سے رمضان کا چاند دکھائی نہ دے رہا تھا. ایک بزرگ نے لوگوں سے کہا کہ آج کی رات قاضی صاحب کے گھر بچہ پیدا ہوگا. جو آگے چل کر بہت بڑا بزرگ بنے گا. اگر اس بچہ نے صبح دودھ نہ پیا تو سمجھو کہ چاند ہوا اور سب کو روزہ رکھنا ہوگا. چنانچہ جب رات فریدالدین بابا پیدا ہوئے تو انھوں نے دن بھر دودھ نہیں پیا. یہ دیکھ کر لوگوں

نے روزہ رکھا۔ بابا فرید نے رمضان کا پورا مہینہ روزے کے وقت دودھ نہیں پیا اس طرح انھوں نے پیدا ہوتے ہی رمضان کے سارے روزے رکھے۔

جب وہ پانچ سال کے ہوئے تو انھیں مدرسہ بھیجا گیا۔ ایک دن وہ ملتان کی مسجد میں پڑھ رہے تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وہاں آئے۔ بابا فرید ان کے مرید ہو گئے اور رات دن ان کی خدمت کرنے لگے۔ جب خواجہ قطب الدین دہلی جانے لگے تو فرید الدین بابا بھی کچھ دور تک پہنچانے کے لیے گئے۔ راستہ میں بابا نے اپنے مرشد سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ دہلی چلنا چاہتا ہوں۔ خواجہ صاحب نے کہا "بابا فرید! پہلے تم اپنی تعلیم پوری کر لو پھر میرے پاس دہلی چلے آنا۔" وہ یہ سُن کر ملتان ہی میں رُک گئے اور پانچ سال تک تعلیم پوری کرتے رہے اس کے بعد بابا فرید قندھار گئے اور وہاں بہت سے بزرگوں سے ملے اور اس طرح بخارا، بلخ، نیشاپور، بدخشاں اور ہرات ہوتے ہوئے ملتان واپس آئے پھر یہاں سے دہلی چلے آئے۔ ان کے مرشد خواجہ قطب الدین بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اب بابا یہاں رہ کر اطمینان کے ساتھ عبادت میں اپنا وقت گذارنے لگے۔ ہفتہ میں ایک بار وہ

اپنے مرشد خواجہ قطب الدین سے ملنے جایا کرتے تھے.

ایک مرتبہ فرید الدین بابا جنگل میں سے گزر رہے تھے. پیاس سے بُرا حال تھا راستہ میں کوئی کنواں نہ تھا. چلتے چلتے سامنے ایک کنواں دکھائی دیا. یہ خوش خوش وہاں گئے کہ اب تو پانی مل ہی جائے گا مگر کنواں پر ڈول اور رسّی کچھ بھی نہیں تھا. مجبور اور مایوس ہو کر وہ وہیں بیٹھے رہے. کچھ دیر بعد چند ہرن کنویں پر پانی پینے کے لیے آئے ہرنوں کے کنویں میں منہ ڈالتے ہی پانی اوپر اٹھ آیا. سارے ہرنوں نے پیٹ بھر پانی پیا اور واپس چلے گئے یہ دیکھ کر بابا فرید بھی کنویں پر گئے تاکہ خود بھی پانی پی لیں. مگر ان کے کنویں تک پہنچتے ہی پانی پھر نیچے چلا گیا. انھوں نے بہت ہی حسرت کے ساتھ سر اوپر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا " اے خدا کیا میں ان ہرنوں سے بھی گیا گزرا ہوں کہ ان کے پینے کے لیے تو پانی اوپر تک آگیا اور جب میں پینے کے لیے گیا تو پانی نیچے چلا گیا."

غیب سے ایک آواز آئی " فرید! ہرن صرف ہم پر بھروسہ کر کے آئے تھے مگر تم نے رسّی اور ڈول پر بھروسہ کیا. پھر اب شکایت کیسی ؟ تمھیں اگر ہم پر بھروسہ ہوتا تو ہم تمھاری بھی پیاس

بجھاتے۔"

یہ سن کر بابا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اپنی اس حرکت پر وہ بہت شرمندہ ہوئے اور توبہ کے لیے چالیس روز کا روزہ رکھا چالیسویں دن روزہ کھولنے کا وقت آیا تو کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ بابا نے خدا پر بھروسہ کر کے مٹی منہ میں ڈال لی۔ خدا کی قدرت سے مٹی منہ میں جاتے ہی شکر بن گئی۔ بابا نے یہ سارا قصہ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین کو سنایا اور اسی دن سے بابا کا نام "گنج شکر" پڑ گیا۔

بابا نے بہت دنوں تک اپنے مرشد کی خدمت کرنے کے بعد جانے کی اجازت مانگی تو خواجہ قطب الدین نے کہا "بابا فرید، جانا ہی چاہتے ہو تو جاؤ لیکن میرے مرنے کے تین دن بعد تم ضرور آؤ گے۔"

بابا دہلی سے چل کر گھومتے پھرتے ہانسی پہنچے اور وہیں رہنے لگے۔ ایک رات خواجہ قطب الدین کو خواب میں دیکھا۔ صبح اٹھے تو طبیعت پریشان تھی۔ اسی وقت اپنے مرشد سے ملنے کے لیے دہلی روانہ ہو گئے۔ جب دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ خواجہ قطب الدین کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں۔ انھیں یہ جان کر بڑا دکھ ہوا

دو تین دن بعد ہانسی جانے لگے تو دہلی والوں نے انھیں روک لینا چاہا مگر وہ نہ رُکے اور ہانسی لوٹ آئے۔

اب بابا کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی اور ہر وقت لوگ اُن کو گھیرے رہنے لگے۔ جس کی وجہ سے اُن کو اطمینان سے عبادت کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اس لئے وہ ہانسی چھوڑ کر گھومتے پھرتے اجودھن پہنچے اور یہاں ایک جنگل میں رہنے لگے۔ لیکن یہاں بھی لوگ اُن سے ملنے کے لئے آنے لگے تو انھوں نے اس جگہ کو بھی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور جب چلنے لگے تو غیب سے آواز آئی "بابا فرید لوگوں سے نہ گھبراؤ اور صبر سے کام لو"۔

یہ آواز سُن کر بابا نے جانے کا خیال چھوڑ دیا اور وہیں رہنے لگے۔ اب وہاں ہزاروں لوگ آنے لگے لیکن وہ ناراض نہ ہوتے بابا کے اجودھن میں رہنے کی وجہ اس کا نام "پاک پٹن" پڑ گیا۔

فرید الدین گنج شکر اپنا سارا وقت عبادت میں گزارنا چاہتے تھے اور اکثر کیلیے بیٹھ کر خدا کی عبادت کرتے تھے۔ سال کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے۔ بابا کے باورچی خانہ میں ہر روز اتنا کھانا پکتا تھا کہ شہر کے تمام فقیر اور غریب لوگ اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ مگر بابا اس میں سے کچھ نہ کھاتے اور خود بھوکے رہتے تھے۔

بابا صرف اللہ پر بھروسہ کرتے تھے اور جس دن ان کو کنویں پر پانی نہ ملا تھا اس دن سے انھوں نے تمام زندگی خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔

وہ ہر ایک کی مصیبت میں کام آتے ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر کہہ نہیں سکتا۔ بابا نے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ میرا بھائی سخت بیمار ہے اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔
بابا نے کہا "پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ تمھارا بھائی تو اچھا ہے۔" اس آدمی نے گھر جاکر دیکھا تو اس کا بھائی بالکل اچھا ہو گیا تھا۔

جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آتی یا کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ بابا کے پاس دوڑا آتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور لڑکی کی شادی کے لیے کچھ روپے مانگے، بابا نے کہا "میرے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے"۔ ____________ اس شخص نے کہا کہ اگر کچھ نہیں ہو تو کہہ دو کہ یہ اینٹ اٹھا لے" کچھ دیر بابا خاموش رہے اور پھر اس اینٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا "اٹھا لے" اس نے جوں ہی اینٹ کو اٹھایا وہ سونے کی ہو گئی اس طرح اس نے تین اینٹ اٹھائے اور وہ تینوں سونے کی ہو گئیں۔ وہ خوش خوش اپنے گھر گیا اور دھوم دھام سے اپنی لڑکی

کی شادی کی۔

شیخ فرالدین گنج شکر نے اپنی ساری زندگی نیکی اور بھلائی کے کاموں میں گذاردی۔

جب دنیا میں برائیاں بڑھ جاتی ہیں تو خدا نیک لوگوں کو پیدا کرتا ہے تاکہ وہ راستے سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راستہ بتلاسکیں خدا کے ان ہی خاص لوگوں میں سے ایک شیخ فرالدین گنج شکر بھی تھے جنھوں نے خدا کے حکم سے تمام زندگی غریبوں کی خدمت کی خود بھوکے رہ کر لوگوں کو کھلایا۔ خدا کے حکم کو لوگوں تک پہنچایا اور انھیں برائی سے بچاکر نیک بنایا۔

بابا فرید ۹۵ برس کی عمر میں اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے پیدا کرنے والے سے جاملے۔

ان کا مزار پاک پٹن میں ہے جہاں آج بھی ہزاروں لوگ ہندوستان کے کونے کونے سے وہاں جاتے ہیں۔

میرابائی

ہندوستان کے مشہور بھگتوں میں سے ایک میرابائی بھی ہیں
جنھوں نے بھگوان کرشنا کی داسی بن کر ساری زندگی گزار دی اور
ایک دن ان کے قدموں میں ہی جان دے دی۔ وہ بھگوان کرشنہ
کو اپنا شوہر جیسا سمجھتی تھیں اور ہمیشہ ان کی شان میں بھجن گایا کرتیں۔
میرابائی سنہ ۱۴۹۹ء میں جودھ پور کے ایک راجپوت راجہ کے گھر
پیدا ہوئیں۔ ابھی وہ چھوٹی ہی تھیں کہ اُن کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ اُن
کے دادا راناد وداجی نے انھیں بڑے ہی لاڈ و پیار سے پالا۔
وہ ہر روز میرابائی کو اپنے ساتھ بھگوان کرشنا کی پوجا کے
لئے مندر لے جاتے تھے۔ میرابائی بھولے پن میں اکثر اُن سے
پوچھا کرتیں کہ وہ ہر روز مندر کیوں جاتے ہیں؟ بھگوان کرشنا
کون ہیں؟ کیا کبھی انھوں نے بھگوان کرشنا سے بات بھی
کی ہے؟ وہ پھل اور پھول اُن کے سامنے کیوں رکھتے ہیں؟

اور پھر وہ آخر میں پوچھتیں کہ ''کیا بھگوان کرشنا مجھ سے بھی باتیں کریں گے؟''
اس ننھی سی بچی کے ان مشکل سوالوں کا جواب دو دا جی محبت سے
دیا کرتے۔

ایک دن میرا بائی اپنی سہیلیوں کے ساتھ محل کے باغ
میں کھیل رہی تھیں اس وقت راستہ سے ایک برات گزر رہی تھی۔
سب لڑکیاں برات کو دیکھ کر خوشی میں تالیاں بجانے لگیں۔ دولہا
ایک گھوڑے پر سوار تھا اور دلہن پالکی میں بیٹھی تھی۔ تمام براتی اچھے
اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میرا بائی اور اُن کی سہیلیاں دُلہن
کی پالکی کے پاس گئیں تاکہ دلہن کو دیکھ سکیں۔ پہلے تو دُلہن
شرمائی۔ لیکن لڑکیوں کے بار بار کہنے پر اس نے اپنی شکل
دکھائی۔ زیور سے لدی اور رنگ برنگی کپڑوں میں وہ بہت
خوبصورت لگ رہی تھی۔

برات کے جانے کے بعد میرا بائی دوڑتی ہوئی اپنے دادا
کے پاس گئیں اور جو کچھ دیکھا تھا سب سنایا۔ اُن کے دادا
نے مسکرا کر کہا کہ ''شادی ایک خوشی کی بات ہے بیٹی''۔ یہ سُن
کر میرا بائی کہنے لگیں ''تو پھر میری شادی کب ہوگی دادا؟'' دادا
نے کہا کہ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمہاری شادی بھی بڑی دھوم

دھام سے ہو گی۔ لیکن میرا بائی تو کچھ اور معلوم کرنا چاہتی تھیں انھوں نے پوچھا ”دادا میری شادی کس سے ہو گی؟“ وہ پریشان تھے کہ کیا جواب دیں۔ پھر میرا بائی کو گلے لگاتے ہوئے کہا کہ ”بیٹی تیرے شوہر تو بھگوان کرشنا ہوں گے“۔ یہ سُن کر وہ خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ تالیاں بجاتے ہوئے دوڑیں اور یہ خوش خبری اپنی سہیلیوں کو سنائی۔

میرا بائی اب بڑی ہو چکی تھیں۔ اُن کی خوبصورتی کو دیکھ کر جودھ پور کی ساری عورتیں جلتی تھیں۔ اُن کے دادا نے دیکھا کہ وہ اب بڑی ہو چکیں ہیں تو اُن کی شادی کے بارے میں سوچنے لگے اور اُن کے لئے بَر کی تلاش شروع کر دی۔ پڑوس کی ریاست چتوڑ کا رانا سانگا ایک مشہور راجہ تھا۔ اس کے نوجوان لڑکے راجہ بھوج راج سے میرا بائی کی شادی طے پائی۔ اس خوش خبری کے سنتے ہی جودھ پور اور چتوڑ میں خوشیاں منائی جانے لگیں۔

شادی کے دن چتوڑ اور جودھ پور کے لوگوں نے دُلہا دُلہن پر تمام راستے پھول برسائے۔

راجہ بھوج راج ایک نیک دل آدمی تھا۔ میرا بائی بھی بہت نیک عورت تھیں۔ ہمیشہ شوہر سے ہنسی خوشی سے پیش آتیں۔

بھوج راج بھی انھیں بے حد چاہتے تھے۔ دونوں گھنٹوں باغ میں باتیں کرتے گذار دیتے دونوں کی یہ محبت دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوتی۔ اس سے پہلے چتوڑ کے لوگوں نے اتنی محبت کرنے والے میاں بیوی نہ دیکھے تھے۔

کہتے ہیں سب دن ایک جیسے نہیں ہوتے بھوج راج اور میرابائی نے خوشی خوشی دس سال گذارے اور پھر ایک دن بھوج راج اچانک بیمار ہوکر انتقال کر گئے۔ میرابائی کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ اس صدمہ نے اُن کی زندگی ہی کو بدل دیا اب وہ کسی سے بات بھی نہیں کرتیں۔ کئی دنوں تک پاگلوں کی سی حرکتیں کرتی رہیں۔ اُن کے دل میں اپنے شوہر کے لئے جو بے حد محبت تھی اب وہ بھگوان کرشنا کی محبت میں بدل گئی۔ وہ اب بھگوان کرشنا ہی کو اپنا شوہر سمجھنے لگیں اور ہر روز مندر جاکر اُن کے درشن کرتیں۔

سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی اور روزانہ ہزاروں آدمی انھیں مندر میں دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ اسی مندر میں اُن کی ملاقات بھگوان کے بھگتوں سے ہوتی تھی۔ جن میں عورت مرد سب ہی شامل تھے۔ وہ بھگوان کرشنا کی شان میں بھجن لکھتیں اور خود گاتی تھیں۔

میرا بائی کے شوہر راجہ بھوج راج کے انتقال پر وکرماجیت چتوڑ کا راجہ بن گیا۔ اُسے جب میرا بائی کے بارے میں خبر ملی کہ وہ مندر میں دوسری عورتوں اور مردوں کے ساتھ بھجن گاتی ہیں تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ شاہی خاندان کے لئے یہ بدنامی کی بات تھی اسس لئے راجہ نے میرا بائی کو مندر میں جا کر بھجن گانے سے روکا۔ لیکن میرا بائی تو بھگوان کرشنا کی داسی بن چکی تھیں بھلا راجہ کی بات کیا سنتیں۔ راجہ کو کہلا بھیجا کہ وہ کرشنا کے بھگتوں کے ساتھ مندر میں بھجن گائے گی۔ کیونکہ بھگوان کے دربار میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ میرا بائی کے اس جواب سے راجہ اور غصّہ ہوا۔ اور انھیں مندر جانے سے روکنے کے لئے ترکیبیں سوچتا رہا۔

پہلے تو اسس نے چمپا اور چنبیلی نام کی دو چالاک عورتوں کو میرا بائی کے پاس بھیجا۔ یہ عورتیں میرا بائی کو نیکی کے راستے سے ہٹانے کے بجائے خود ان کے راستہ پر چلنے لگیں اور پھر کبھی راجہ کے محل واپس نہ گئیں بلکہ میرا بائی بیرو بن کران کے ساتھ رہنے لگیں۔

جب راجہ وکرماجیت کو اسس کی اطلاع ملی تو وہ بہت

برہم ہوا اور اپنی بہن کو میرا بائی کے پاس بھیجا تاکہ انھیں سمجھا کر محل واپس لائے۔ لیکن میرا بائی کے پاس جو بھی جاتا اُن ہی کا ہو جاتا چنانچہ چمپا اور چنبیلی کی طرح راجہ کی بہن اُودھا بھی میرا بائی کی پیرو بن گئیں۔

جب راجہ وکرماجیت نے سُنا کہ اُس کی بہن بھی میرا بائی کی ساتھی بن گئی ہے تو وہ غصّہ سے پاگل ہو گیا اور وہ خود میرا بائی کے کمرہ پر گیا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا میرا بائی اُس وقت پوجا میں کھوئی ہوئی بھگوان کرشنا سے باتیں کر رہی تھیں۔ راجہ نے جب باہر سے میرا کی آواز سنی تو اس کو شبہ ہوا کہ اندر کوئی آدمی ہے۔ اب تو وہ آگ بگولہ ہو گیا اور زور زور سے دروازے کو پیٹنے لگا۔ میرا بائی نے جیسے ہی دروازہ کھولا وہ کمرے میں گھس پڑا اور غصّہ کی حالت میں چاروں طرف ڈھونڈنے لگا، لیکن کمرے میں کسی کو نہ پاکر اس نے میرا بائی سے پوچھا کہ ”اس آدمی کو کہاں چھپا دیا جس سے تم ابھی باتیں کر رہی تھیں“۔ میرا بائی نے کہا ”میں تو بھگوان کرشنا سے باتیں کر رہی تھی، جو ہمیشہ میرے دل میں رہتے ہیں“۔ اس جواب سے راجہ غصہ سے کانپنے لگا اور ایک دم تلوار نکال کر میرا بائی کو ختم کر دینا چاہا۔ لیکن جس کو بھگوان رکھے اُسے کون چکھے!

جیسے ہی وہ میرا بائی کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے سامنے ایک میرا بائی کے بجائے چار میرا بائی کھڑی ہیں۔ وہ پریشان ہو گیا کہ کس کو قتل کرے اور اسی پریشانی کی حالت میں راجہ پوری طاقت سے چاروں طرف اپنی تلوار گھمانے لگا۔ اسی وقت ایک شیر کی شکل کا ترسنگھا راجہ پر حملہ کرتا نظر آیا۔ اس ڈراؤنی شکل کو دیکھ کر راجہ نے ایک چیخ ماری! اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس واقعہ کے بعد وہ کئی دنوں بیمار پڑا رہا۔

جب راجہ کی صحت ذرا سنبھل گئی تو اُس نے میرا بائی کو ستانا شروع کیا۔ اس دفعہ اُس نے پانی میں زہر ملا کر میرا بائی کو بھیجا اور ایک خط بھی لکھا کہ ”یہ پانی بھگوان کرشنا کے مندر سے آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اسے ضرور پی لوگی کیونکہ میں بھی اُنسے کا بھگت بن گیا ہوں۔

میرا بائی نے جب بھگوان کرشنا کا نام سُنا تو فوراً اس پانی کو پی گئیں اور اس زہریلے پانی کا اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔

جب راجہ کو یہ معلوم ہوا کہ میرا بائی زندہ ہیں تو وہ حیران رہ گیا۔ کچھ دنوں بعد اُس نے ایک اور خطرناک ترکیب سوچی تاکہ میرا بائی کو ختم کر دے۔

راجہ نے ایک زہریلے سانپ کو ڈبہ میں بند کر کے میرا بائی کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ اس میں بھگوان سالی گرام کی مورتی ہے۔ میرا بائی نے جوں ہی ڈبہ کھولا سانپ نے سر اُٹھایا اور میرا بائی کو دیکھتے ہی وہ سچ مچ بھگوان سالی گرام کی مورتی میں بدل گیا۔

جب راجہ کی یہ ترکیب بھی ناکام رہی تو وہ کوئی نئی ترکیب سوچنے لگا۔ لیکن اب میرا بائی بھی راجہ کی روز روز کی شرارتوں سے تنگ آچکی تھیں اس لئے انھوں نے سنت تلسی داس جی کے مشورہ پر چتوڑ چھوڑ دیا اور چند بھگتوں کے ساتھ برندا بن چلی گئیں جہاں کرشنا پیدا ہوئے تھے۔

یہ جگہ میرا بائی کو بہت پسند آئی یہاں انھیں اب کسی بات کا ڈر نہ تھا۔ وہ خوشی خوشی بھگوان کرشنا کی شان میں بھجن گاتیں۔

ایک دن اُن کی ملاقات ایک یوگی سے ہوئی۔ جس نے انھیں بنارس دوارکا اور دوسرے مقدس مقامات جاکر لوگوں کو نیکی کا سبق سکھانے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ میرا بائی چند بھگتوں کو ساتھ لے کر اس نیک کام کے لئے روانہ ہوگئیں۔ وہ جہاں بھی جاتیں ہندو مسلمان سب ہی اُن کے بھجن سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں، جمع ہو جاتے۔ جس

گاؤں میں جاتیں عورت مرد سب ہی ان کی بڑی عزت کرتے۔

میرا بائی کے اُن بھجنوں کا اثر یہ ہوا کہ ہزاروں لوگ اچھے راستہ پر لگ گئے اور نیک زندگی گذارنے لگے۔

میرا بائی بنارس بھی گئیں اور پھر وہاں سے دوسرے مقامات سے گھومتے پھرتے دوارکا پہنچیں۔ یہ جگہ انھیں بہت پسند آئی اور انھوں نے یہیں اپنی باقی زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور وہیں رہ گئیں۔

میرا بائی کے چتوڑ چھوڑ دینے پر راجہ تو بہت خوش تھا لیکن اُس دن سے ہی چتوڑ پر قسم قسم کی مصیبتیں آنے لگیں۔ تمام کھیت سوکھ گئے لوگ بھوکے مرنے لگے۔ ساری ریاست میں بیماریاں پھیل گئیں اور راجہ خود سخت بیمار ہو گیا۔ ان مصیبتوں کی وجہ سے راجہ بے حد پریشان ہو گیا۔ دن بدن خزانہ خالی ہوتا جا رہا تھا۔ اور اسے فکر ہو گئی کہ رعایا کا پیٹ کیسے پالے۔

چتوڑ کے ایک اور مشہور بھگت نے راجہ کو سمجھایا کہ یہ ساری مصیبتیں اسی وقت ختم ہونگیں جس وقت میرا بائی چتوڑ واپس آجائے۔ راجہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس نے فوراً میرا بائی کو لکھا کہ وہ بھگوان کے لئے جلد سے جلد چتوڑ واپس آجائے۔

میرا بائی نے راجہ کے اس خط کا شکریہ ادا کیا لیکن چتوڑ واپس آنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ دوارکا میں نیک لوگوں کے ساتھ خوش ہے۔ راجہ یہ جواب پاکر اپنے کئے پر پچھتانے لگا اور میرا بائی کو واپس لانے خود دوارکا گیا۔ وہاں پہنچ کر راجہ نے میرا بائی سے معافی مانگی اور اُن کے قدموں پر گر پڑا۔

میرا بائی رحم دل عورت تو تھیں ہی، راجہ کے سارے قصور معاف کر دیئے اور چتوڑ واپس چلنے کے لئے راضی ہو گئیں اور بھگوان کرشنا سے اجازت لینے کے لئے مندر میں گئیں۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے بھگوان کرشنا کی مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر بھجن گانا شروع کیا بھجن کے ساتھ ساتھ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بہت دیر تک وہ بھجن گاتی رہیں اور پھر بھگوان کرشنا کے قدموں پر سر رکھ کر کہا۔

"اے بھگوان، اس داسی کو کبھی نہ بھولنا"، جوں ہی یہ الفاظ میرا بائی کی زبان سے نکلے وہ ہمیشہ کے لئے اس بھگوان سے جا ملیں جس کے لئے انھوں نے ساری زندگی مصیبت میں کاٹی۔

میرا بائی کی بھگوان کرشنا سے محبت اُن کے بھجنوں سے ظاہر ہوتی ہے جو آج کئی سو سال گذرنے کے بعد بھی گائے جاتے ہیں اور ہمیشہ گائے جاتے رہیں گے۔

سنت تلسی داس

ایسا کون ہندوستانی ہے جو گوسوامی تلسی داس جی کو نہ جانتا ہو۔ آج بچہ بچہ کی زبان پر تلسی داس جی کا نام ہے۔ یہ ایک بہت بڑے مہاتما گذرے ہیں۔ وہ بھگوان رام چندر جی کے پکے بھگت تھے۔ "تلسی رامائن" ان ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

گوسوامی تلسی داس جی سنہ ۱۵۳۲ء میں آگرہ کے قریب ایک گاؤں راجہ پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پنڈت آتمارام ایک سیدھے سادھے برہمن تھے۔ اُن کی ماں کا نام تلسی دیوی تھا۔

کہا جاتا ہے کہ تلسی داس جی کے پیدا ہوتے ہی ان کے منہ سے رام، رام، کی آواز نکلی۔ اسی وجہ سے ان کا نام رام بولا پڑ گیا۔ اُن کے پیدا ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی اُن کی ماں تلسی دیوی کا انتقال ہوگیا اور ابھی وہ آٹھ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے۔

کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ۔اس طرح تلسی داس جی کو بچپن ہی سے ماں باپ کا پیار نہ مل سکا۔

آٹھ سال کے اس بے سہارا بچے کو بابا نارائن داس ایک نیک سادھو نے بڑے پیار سے پال پوس کر بڑا کیا۔ بابا نارائن داس ہمیشہ انھیں رام چندر جی کی زندگی کے قصے سنایا کرتے تھے۔اس طرح اُن کو بچپن ہی سے رام چندر جی سے پیار ہو گیا۔

چند روز بعد بابا نارائن داس کاشی چلے آئے تو وہ اپنے ساتھ تلسی داس جی کو بھی لے گئے۔ تلسی داس جی کاشی پہنچ کر مہا پنڈت بھگت سناتن جی کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں مہا پنڈت کے ساتھ رہ کر اور ان سے تعلیم پا کر رام بولا، اب تلسی داس جی بن گئے۔

تلسی داس جی کے بڑے ہوتے ہی اُن کی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی رتنا ولی سے کر دی گئی۔ تلسی داس جی اپنی بیوی کو بے حد چاہتے تھے۔ ایک پل کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔اُن کی گھریلو زندگی کچھ عرصہ تک بہت آرام سے بسر ہوئی۔اُن کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام انھوں نے ''تارک'' رکھا۔

چونکہ تلسی داس جی بیوی کو بے حد چاہتے تھے اسی لئے وہ اُن کو میکہ بھی نہیں جانے دیتے تھے۔ رتنا ولی کو بہت دنوں سے میکے جانے کی خواہش تھی۔ گو وہ بھی شوہر کو بے حد چاہتی تھیں۔ لیکن اپنے ماں باپ، بھائی بہن سے ملنے کی خواہش کسے نہیں ہوتی ؟۔ مگر تلسی داس انھیں نظروں کے سامنے سے ہٹنے نہ دیتے تھے۔

ایک دن جب کہ تلسی داس جی کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے ان کی بیوی اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی گئیں۔ وہ جب رات گھر واپس آئے تو رتنا ولی کو گھر پر نہ پاکر بہت پریشان ہوئے اور جب انھوں نے اپنی پڑوس میں دریافت کیا تو پڑوسیوں نے انھیں بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ میکہ چلی گئیں انھیں یہ جان کر بہت دکھ ہوا۔ بیوی کی جدائی انھیں ایک پل بھی برداشت نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے تلسی داس جی بیوی سے ملنے کے لئے فوراً روانہ ہو گئے۔

اُن کے سسرال کا گھر گنگا کے دوسرے کنارے پر تھا۔

اُس رات دھواں دھار بارش ہو رہی تھی اور دریا میں طوفان بھی آیا ہوا تھا۔ اندھیری رات میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی

نہ دے رہا تھا۔ ایسے خطرناک موسم میں بھی چل پڑے اور دریا کے کنارے پہنچے۔ انھیں اندھیرے میں ایک موٹی سی لکڑی دریا میں بہتی ہوئی نظر آئی۔ وہ اصل میں ایک لاش تھی جو دریا میں بہتی چلی آرہی تھی۔ اسی پر وہ اُچھل کر سوار ہو گئے اور انھیں اس بات کا پتہ بھی نہ چلا کہ وہ لکڑی ہے یا کوئی لاش۔

بہر حال کسی طرح وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور رات کے اندھیرے میں گرتے پڑتے سسرال کے مکان کے قریب پہنچ گئے۔ سارے گاؤں پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا سب لوگ طوفان کے ڈر سے دروازے کھڑکیاں بند کئے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔

انھیں سسرال کے مکان کے اوپر کی منزل کی ایک کھڑکی میں سے روشنی نظر آئی اور اس کے پاس ہی ایک رسی لٹکتی سے دکھائی دی۔ وہ اسی کو پکڑ کر چڑھتے ہوئے کھڑکی تک پہنچ گئے۔

اتفاق کی بات تھی کہ اس کھڑکی کے پاس ان کی بیوی سورہی تھیں۔ تلسی داس جی کو اس وقت اور اس حالت میں دیکھ کر پہلے تو وہ بہت گھبرا گئیں۔ لیکن اس طوفان اور موسلا دھار بارش میں اپنے شوہر کے خیریت سے گھر پہنچنے پر بھگوان کا شکریہ ادا کیا

اور تلسی داس جی سے حیران ہوکر پوچھا کہ وہ کھڑکی میں سے کیسے آ سکے۔

انھوں نے سارا ماجرا سنایا۔ اُن کی بیوی کو یقین نہ آیا کہ وہاں کوئی رسی بھی ہو سکتی ہے جو کھڑکی سے زمین تک لٹکتی ہو۔ جب ان کی بیوی نے چراغ لے کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو ایک بہت بڑا سانپ لٹکتا ہوا نظر آیا جسے تلسی داس جی رسی سمجھ کر پکڑتے ہوئے اوپر چڑھ گئے تھے۔

یہ دیکھ کر اُن کی بیوی نے کہا کہ "کاش تمہارے دل میں اتنی ہی محبت پرماتما کے لئے ہوتی جتنی کہ میرے لئے ہے تو تم کروڑوں انسانوں کو بھگوان کی طرف بلا کر نیک راستہ دکھلا سکتے۔ میرا تو صرف ہڈی اور چمڑے کا جسم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والا ہے میں آج ہوں کل نہیں مگر پرماتما تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔"

بیوی کے اِن الفاظ کا تلسی داس جی پر بڑا اثر ہوا۔ یہاں تک کہ وہ رات بھر سو بھی نہ سکے۔ صبح ہوتے ہی وہ کاشی کی طرف چل دئے۔

جب کئی روز گذر گئے اور تلسی داس جی واپس نہ آئے تو اُنکی بیوی دل ہی دل میں پچھتانے لگیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

تلسی داس جی تو اب بھگت بن چکے تھے۔ اور سارا وقت اس بھگوان کی یاد میں گذارتے تھے جو سنسار کا مالک ہے۔

کاشی میں تلسی داس جی کو پرماتما کی یاد کے سوا اور کوئی کام نہ تھا اُن کی بھگوان سے یہ لگن دیکھ کر چند ہی روز میں لوگ انھیں سچّا مہاتما سمجھنے لگے۔ اب تلسی داس جی کے دل میں رام کے درشن کے سوا کوئی خواہش نہ تھی۔

اُن ہی دنوں کاشی میں ایک جگہ کرنا گھاٹ پر روزانہ رامائن کی کتھا ہوتی تھی۔ کسی نے تلسی داس جی سے کہہ دیا کہ وہاں پر روز کتھا سننے کے لئے ہنومان جی، کوڑھی کے بھیس میں آتے ہیں پھر کیا تھا، تلسی داس جی ہر روز وہاں جانے لگے۔ آخر ایک روز جب کتھا ختم ہوئی تو انھوں نے ایک کوڑھی کو پکڑ کر کہا "کیا تم ہنومان جی ہو؟ مجھے بھگوان رام کے درشن کرادو۔" اس کوڑھی نے کہا کہ چترکوٹ جا کر وہاں عبادت کرتے رہو وہیں بھگوان رام تمہیں درشن دیں گے۔"

رام درشن کے پیاسے تلسی داس جی چترکوٹ جا کر عبادت کرنے لگے۔ چھ ماہ کی لگاتار محنت کا آخر ایک دن اُن کو پھل ملا۔ اور انھیں بھگوان رام کے درشن ہو گئے۔

اس کے بعد سے تو اُن کی کایا پلٹ ہو گئی ہر جگہ اور ہر کام میں انھیں ایشور کا ہاتھ نظر آنے لگا ۔ چتر کوٹ سے چل کر ہندوستان کے تمام مقدس مقامات کی یاترا کے بعد اجودھیا پہنچے تو وہیں رہنے لگے تاکہ ایک جگہ بیٹھ کر بھگوان کو یاد کرتے رہیں ۔

۴۲ سال کی عمر میں اسی مقام پر انھوں نے " رامائن" لکھنا شروع کیا ۔ رام کو یاد کرنے کا اس سے اچھا طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا ۔

یوں تو بہت سے لوگوں نے رامائن لکھی لیکن تلسی داس جی کی لکھی ہوئی رامائن بہت زیادہ مشہور ہوئی ۔ اسی لئے ہندوستان میں تلسی داس جی کی بڑی قدر کی جاتی ہے ۔

بادشاہ اکبر کے مشہور درباری راجہ ٹوڈر مل اور مہاراجہ مان سنگھ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے اور اکثر اُن کے پاس آیا کرتے تھے ۔ اور راج پوتانہ کی میرا بائی ان کے مشوروں پر عمل کرتی تھیں ۔

دنیا کو سچائی کا راستہ دکھلانے والے گوسوامی تلسی داس جی ۱۶۲۴ء میں آسی گھاٹ کے قریب کاشی کے مقام پر اپنے پیدا کرنے والے سے جاملے ، لیکن مقدس کتاب " رامائن " کی وجہ سے ان کا نام رہتی دنیا تک قائم رہے گا ۔

دیانند سرسوتی

شیوراتری تھی۔ مندر میں شیوجی کی مورتی کے پاس
جتنے پجاری تھے جوں جوں رات بڑھتی گئی ایک ایک کرکے سب
سوگئے اور میٹھی نیند کے مزے لینے لگے۔ لیکن صرف ایک
لڑکا برابر جاگتا رہا۔ کیونکہ اس کے دل میں دھرم کی سچی
لگن تھی اور اسی رات کے ایک چھوٹے سے واقعہ نے اس لڑکے
کی زندگی ہی بدل دی۔

یہ لڑکا سنہ ۱۸۲۵ء میں گجرات کے ایک برہمن زمیندار امبا شنکر
کے گھر پیدا ہوا جس کا نام مول شنکر رکھا گیا تھا اور جو بعد
میں دیانند سرسوتی کے نام سے مشہور ہوئے۔

وہ جب ذرا بڑے ہوئے تو اُن کے والد تعلیم و تربیت کے
لئے انھیں کاشی بھیج دینا چاہتے تھے لیکن مول شنکر کو اپنے
والد سے الگ رہنا پسند نہ تھا۔ اسی لئے وہ ان کے ساتھ رہ

کر ہی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ باپ نے پہلے اپنے بیٹے کو دھرم کی تعلیم دی۔ شیوجی کی پوجا سکھائی اور سنسکرت کی کچھ کتابیں پڑھائیں۔ مول شنکر والد کے ساتھ ہر روز مندر جایا کرتے تھے۔ ان تمام باتوں کی وجہ مول شنکر کو بچپن ہی سے دھرم کا بڑا خیال تھا۔

جب مول شنکر چودہ برس کے تھے تو شیوراتری کو اپنے والد کے ساتھ شیو کی پوجا کرنے گئے۔ شیوجی کے مندر میں سب پوجا کر رہے تھے۔ مول شنکر کے والد کا خیال رات بھر جاگنے اور پوجا کرنے کا تھا۔ لیکن وہ بہت جلد سو گئے اور اسی طرح ایک ایک کر کے سارے پجاری بھی سو گئے۔ البتہ مندر میں مول شنکر ہی جاگتے رہے۔ جب آنکھیں بند ہونے لگتیں تو وہ پانی سے آنکھیں بھگو لیتے تاکہ نیند بھاگ جائے اور اس طرح وہ صبح تک جاگتے رہیں۔

جب آدھی رات گذر گئی تو یکایک مندر کے ایک سوراخ سے چھوٹا سا چوہا نکلا اور بے پروائی اور اطمینان کے ساتھ شیوجی کی مورتی پر اُچھل کود کرنے لگا اس لئے کہ وہاں اُسے روکنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ کبھی ان کے سر پر دوڑتا تھا تو کبھی رانوں پر کھیلتا تھا۔ کھانے پینے کی جو چیزیں شیوجی کی مورتی کے سامنے

رکھی ہوئی تھیں اسے وہ آہستہ آہستہ چٹ کرتا جا رہا تھا۔ مول شنکر یہ دیکھ کر سوچنے لگے کہ جو شیوجی اپنے جسم پر سے ایک چھوٹے سے چوہے کو نہیں ہٹا سکتے وہ سنسار کا کلیان کیسے کر سکتے ہیں؟

مول شنکر نے حیرت اور پریشانی کی حالت میں اپنے والد کو جگایا اور انھیں سارا قصّہ سنایا۔ لیکن ان کے والد بیٹے کو کچھ نہ سمجھا سکے اور مختلف طریقوں سے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی لیکن مول شنکر کسی طرح بھی مطمئن نہ ہو سکے۔

مول شنکر کے دل میں یہ خیال بار بار آرہا تھا کہ شیوراتری کے برت کو توڑ کر کیوں نہ اس چوہے کی طرح کھانا شروع کر دیا جائے! جب پتھر کی وہ مورتی ایک معمولی چوہے کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو آخر اُن کا کیا کر سکے گی؟

وہ اس واقعہ کے بعد سچائی کی تلاش میں لگے رہے۔ چند روز بعد ہی ایک رات مول شنکر اور اُن کے والد ایک دوست کے ہاں دعوت کھانے گئے۔ کھانے کے بعد سب گانا سن رہے تھے اتنے میں مول شنکر کا نوکر دوڑتا ہوا آیا اور اطلاع دی کہ اُن کی بہن کو ہیضہ ہو گیا ہے۔ لوگ بھاگے بھاگے گھر پہنچے لیکن اُن کی بہن نہ بچ سکی۔ بہن کی موت سے مول شنکر کو بڑا دکھ ہوا۔ کیونکہ دونوں بچپن سے ساتھ

کھیلتے آئے تھے اور دونوں میں بڑا پریم تھا۔ مول شنکر نے پہلی بار
جانا کہ موت کیا ہوتی ہے۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ آخر کیوں ہر
یک کو مرنا پڑتا ہے؟

اب مول شنکر کا دل اپنے گھر اور دوستوں سے بالکل اُچاٹ
ہو گیا۔ ایک دن انھوں نے اپنے استاد سے جو ایک پنڈت بھی تھے
اپنے دل کا حال کہہ ڈالا۔ پنڈت بھی یہ سن کر پریشان ہو گئے اور سارا
حال اُن کے والد سے کہہ دیا۔ والد نے مول شنکر کی یہ حالت
دیکھی تو سونچا کہ اُن کی شادی کر دینا چاہیئے تاکہ اس سے اُن کی حالت
سدھر جائے۔ چنانچہ ایک اچھی سی لڑکی پسند کی گئی اور شادی کی
تیاریاں دھوم دھام کے ساتھ ہونے لگیں۔ لیکن مول شنکر کا
دل تو اداس تھا۔ وہ سونچ رہے تھے کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

شادی کی تاریخ جوں جوں قریب آتی گئی پورے گاؤں میں
دھوم مچنے لگی۔ ادھر شادی کی تیاری ہو رہی تھیں کہ مول شنکر
ایک رات چھپ کر گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ دھوتی کی ایک
جوڑا اور ہاتھ کی ایک انگوٹھی سے نکل پڑے تھے۔ راستہ میں یہ کپڑے
بھی چوری ہو گئے اور بعض اُچکوں نے دھوکہ دے کر یہ انگوٹھی اُن سے
لے لی۔

مول شنکر کئی دن یوں ہی مارے مارے پھرتے رہے آخر کار ایک دن ایک میلہ میں اُن کے والد نے ان کو پکڑ ہی لیا۔ میلہ سے واپسی میں دونوں رات گذارنے ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ ان کی والد گہری نیند سو گئے لیکن مول شنکر جاگتے رہے اور موقع پا کر رات کے اندھیرے میں وہ چپکے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب نہ مول شنکر کو اپنا گھر یاد آتا تھا اور نہ ہی ماں باپ کی یاد ستاتی تھی۔ اُن کے دل میں تو بس ایک ہی لگن تھی، ایک ہی دُھن تھی اور وہ یہ کہ خدا کہاں مل سکتا ہے؟ موت کا بھید کیا ہے؟ اور اس سے آدمی کو چھٹکارا کیسے مل سکتا ہے؟

اس دفعہ وہ جنگل کی طرف چل پڑے اب انھیں کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو اُن کے سوالوں کا جواب دے سکے تاکہ ان کے دل کو شانتی ملے۔

کوئی پندرہ برس تک وہ ایسے آدمی کی تلاش میں جنگلوں میں پھرتے رہے۔ جہاں بھی انھیں کسی سادھو کا پتہ لگتا چاہے وہ ہمالیہ کے پہاڑ پر برف سے ڈھکی چوٹیوں پر ہو یا چاہے کسی گھنے جنگل میں، مول شنکر وہاں پہنچ جاتے اور اُس سے اپنے دل کی بات کہتے۔ برسوں کی دوڑ دھوپ کے بعد مول شنکر کو جس گرو

کی تلاش تھی وہ آخر مل ہی گیا۔ کسی نے اُن سے بتایا کہ متھرا میں ایک بڑے گرو سوامی ورجانند سرسوتی رہتے ہیں۔ وہ اسی سال کے بوڑھے اور دونوں آنکھوں سے اندھے ہیں۔

سوامی ورجانند سرسوتی سے ملتے ہی انھوں نے کہا کہ "اب تک جو کچھ پڑھا ہے اُسے بھول جاؤ اور تمہارے پاس جو کتابیں ہوں انھیں جمنا ندی میں پھینک دو۔ اب تمہارے یہ کام نہ آئیں گی۔"

اب مول شنکر نے سوامی جی سے پڑھنا شروع کیا۔ وہ ہر روز صبح اپنے گرو کے نہانے کے لئے جمنا سے پانی لاتے۔ گھر میں روز جھاڑو دیتے اور کوڑا کرکٹ صاف کرتے۔ اُن کے گرو انھیں "دیانند" کہہ کر پکارا کرتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ دیانند کے مکان کی صفائی کے بعد کوڑا کرکٹ ایک کونہ میں جمع کر دیا تھا۔ تاکہ بعد میں اُسے اٹھا کر پھینک دیں۔ اندھے ورجانند لکڑی ٹیکے ہوئے ادھر آنکلے اور اُن کا پیر اتفاق سے کچرے کے اُس ڈھیر پر پڑا۔ وہ آگ بگولہ ہو گئے اور شاگرد کو بلا کر اتنا پیٹا کہ پیٹھ لال ہو گئی۔ اس وقت خود دیانند کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ لیکن دیانند نے زبان سے اُف تک نہ کی۔

کوئی تین سال تک وہ گرو سے وید پڑھتے اور سمجھتے رہے۔ اب انھیں معلوم ہو گیا کہ خدا کون اور کیسا ہے اور موت کا کیا راز ہے۔

اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو ان کے پاس استاد کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ تو صرف انھوں نے ایک مٹھی بھر لونگ اپنے استاد کے چرنوں میں رکھ دئے اور گرو نے اس نذرانہ کو اپنے پاک ہاتھوں سے چھو کر واپس کر دیا اور کہا کہ "میں تم سے کوئی بھینٹ نہیں مانگتا۔ میں صرف تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے جا کر انسانوں کی خدمت کرو، انھیں ویدوں کی طرف بلاؤ اور صرف ایک خدا کی پوجا کرنا سکھاؤ۔"

سوامی ورجانند سے جدا ہو کر دیانند جی مذہب کے پرچار کے لئے اجمیر، آگرہ اور جے پور کے شہروں میں پہنچے۔

لوگ اتنی آسانی سے پرانی باتوں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف آنے والے نہ تھے۔ شروع میں سوامی دیانند کو مایوسی ہوئی۔ وہ پھرتے پھراتے بالآخر کمبھ کے میلے میں پہنچے۔ ہندوستان میں اس میلے کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ میلہ ہر بارہ برس کے بعد بیساکھ کی پہلی تاریخ کو گنگا کے کنارے لگتا ہے اور کئی دن تک جاری رہتا ہے۔ اس میلے میں دیانند جی کے یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی کہ گنگا کا پانی جسم کو کیسے پاک

کر سکتا ہے؟ اور اُس میں صرف اشنان کرنے سے سارے گناہ کیسے دُھل سکتے ہیں؟

اس میلہ میں انھوں نے لوگوں کو مورتیوں کی پوجا سے روکا اور کہا کہ "تم لوگ بتوں کی پوجا میں کیوں عمر گنواتے ہو۔ اُس ایک سچے خدا کی پوجا کرو جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ گنگا میں صرف ایک ڈبکی لگانے سے تم سورگ میں چلے جاؤ گے۔ بلکہ جیسا تمہارا عمل ہوگا ویسا ہی پھل ملے گا اگر گنگا میں اشنان کرنے سے ہی سورگ مل سکتی تو تمام مچھلیاں اور مینڈک کب کے سورگ میں پہنچ جاتے"! لوگ اُن کے چاروں طرف اکٹھا ہو جاتے اور ان کی باتیں سنتے لیکن کوئی ان پر عمل نہ کرتا تھا۔

وہ پھر عبادت کے لئے جنگل میں چلے گئے۔ دو سال تک جنگلوں میں رہے اور پھر ملک کا دورہ شروع کیا۔ جہاں جاتے لوگوں سے یہی کہتے کہ "بتوں کی پوجا بیکار ہے۔ ایک سچے خدا کی پوجا کرو۔"

بنارس کے پنڈتوں سے کئی بار اُن کی بحث ہوتی رہی۔ اب لوگ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ جلسہ میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی نے پتھر کھینچ مارا۔ وہ سوامی جی کے سر میں لگا اور سر پھٹ گیا۔ لیکن سوامی جی نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور اپنی تقریر جاری

رکھی ۔ جب لوگ کسی طرح ان کا منہ بند نہ کر سکے تو ان کو زہر دے کر مار ڈالنے کی کوشش کی گئی ۔ تین چار مرتبہ انھیں زہر دیا گیا۔ مگر اتفاق سے ہر مرتبہ بچ گئے ۔

سوامی دیانندجی کو ہر طریقے سے ستایا گیا ان کے گھر پر خوبصورت آوارہ عورتوں کو بھیجا گیا ۔ جب یہ عورتیں ان کے گھر گئیں تو انھوں نے پوچھا "کیوں ماں! کیا کام ہے" دیانندجی کے ان لفظوں کا اُن عورتوں پر ایسا اثر ہوا کہ وہ رونے لگیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیا اور نیک بن کر لوٹیں ۔ جو عورتیں دیانندجی کو بھٹکانے آئیں تھیں وہ خود دیانندجی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے لگیں ۔

سچ کی آخر جیت ہوتی ہے ۔ رفتہ رفتہ سوامی دیانندجی کی باتوں کا لوگوں کے دلوں پر اثر ہونے لگا اور ان کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی ۔ کام جب بہت بڑھنے لگا تو اس کو ٹھیک طور سے چلانے کے لئے انھوں نے بمبئی میں "آریہ سماج" کی بنیاد رکھی ۔

سوامی دیانندجی بڑے دیش بھگت تھے ۔ آج سے سو سال پہلے ہی انھوں نے جان لیا تھا کہ ہندوستان کے ایکتا کے لئے ایک قومی زبان کی ضرورت ہے ۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی بتایا تھا ۔ کہ یہ اونچا مرتبہ صرف ہندی زبان ہی کو دیا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ سوامی جی جو شروع

شروع میں اپنی کتابیں سنسکرت ہی میں لکھتے تھے۔ عام لوگوں کی بول چال کی زبان ہندی میں چھپوانا شروع کیا۔ حالانکہ خود سوامی جی کی مادری زبان گجراتی تھی۔

سوامی دیانند نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں "ستیارتھ پرکاش" سب میں مشہور رہے۔

سوامی جی کی زندگی کا آخری حصہ راجپوتانہ کے لوگوں کی خدمت اور اُن کی بھلائی کے کاموں میں گذرا۔

ایک رات سوامی دیانند سرسوتی پیٹ کے درد سے بے چین ہو کر اُٹھے۔ دوائی دی گئی لیکن درد گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی گیا۔ انھوں نے اپنے باورچی جگناتھ کو بلا کر پوچھا کہ "کھانے کے بنانے میں کوئی بے احتیاطی تو نہیں کی؟" باورچی نے پہلے تو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن بعد میں کہہ دیا کہ اُن کے دشمنوں کے کہنے پر اس نے دودھ میں زہر ملا دیا تھا۔

دیانند جی نے اسے معاف کر دیا اور اس کو فوراً اس شہر سے بھاگ جانے لئے کہا اور خرچ کے لئے روپے بھی دیئے۔

ڈاکٹروں نے انھیں بچانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن زہر سارے جسم میں پھیل چکا تھا اور اسی زہر کے اثر سے سوامی دیانند

سرسوتی جی ۳۰ راکتوبر ۱۸۸۳ء کی رات اجمیر میں انتقال کر گئے۔
دیوالی کی رات تھی۔ لوگ چھوٹے چھوٹے دیپک جلا کر گھروں کے سامنے رکھ رہے تھے۔

اسی رات بھارت کا ایک بڑا دیپک بجھ گیا لیکن اس کی روشنی آج بھی لاکھوں انسانوں کے دل میں موجود ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی نے اپنا سارا جیون بھگوان کی یاد اور لوگوں کی سیوا میں گذار دیا۔ ایسے مہاتما دنیا سے تو چلے جاتے ہیں لیکن ان کی یاد ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

بنگال کے ایک چھوٹے سے گاؤں کمار پور میں، ۱۸ رفروری ۱۸۳۶ء کو رام کرشن پرماہنس جی ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد خودی رام نے اپنے اس لڑکے کا نام گنگا دھر رکھا تھا جو بعد میں رام کرشنا پرماہنس کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُن کے والد رام چندر جی کے سچے پرستار تھے۔

بچپن ہی سے رام کرشن کو بھگوان کے بھجن سے بہت دل چسپی تھی۔ انھیں رامائن، مہابھارت سننے اور کرشن لیلا دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔

رام کرشن جب سات برس کے ہوئے تو اُن کے والد کا انتقال ہوگیا اور خاندان کا سارا بوجھ ان کی غریب ماں پر پڑا۔ اُنکے بڑے بھائی رام کمار نے گھر چلانے کے لئے کلکتہ میں ایک چھوٹا سا اسکول کھولا اور اس سے تھوڑا بہت روپیہ کمانے لگے۔ اسی اسکول

میں پڑھنے کے لئے اُن کے بھائی نے رام کرشنا کو کلکتہ بُلایا۔ رام کرشن نے اپنے بھائی کو کہلا بھیجا کہ "میں ایسا علم نہیں حاصل کروں گا جو صرف دولت کمانے کے کام آتا ہے، بلکہ میں تو ایسا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جو مجھے بھگوان سے ملا دے۔" اس وقت رام کرشن کی عمر ۱۶ سال تھی۔

ان ہی دنوں کلکتہ میں دریائے گنگا کے کنارے دکھشنیشور پر ایک مالدار عورت رانی رس مانی نے کالی کا مندر بنایا تھا اور اس مندر کے لئے انھیں ایک پجاری کی ضرورت تھی۔ رام کرشن کے بھائی نے کلکتہ کا اسکول چھوڑ دیا اور اس مندر کے پجاری بن گئے۔ لیکن ایک سال بعد ہی وہ انتقال کر گئے۔ رام کرشن بھی انھیں کے ساتھ کالی کے مندر میں رہتے تھے اور سارا وقت پوجا میں گذارتے تھے۔

رانی رس مانی نے ان کی یہ لگن دیکھ کر اُن کے بھائی کے مرنے کے بعد انھیں کالی کے مندر کا پُجاری بنا دیا۔ رام کرشن تو یہی چاہتے اب وہ اور پریم سے پوجا پاٹ کرنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔

وہ گھنٹوں کالی کے سامنے بیٹھے رہتے اور کالی سے درشن دینے کے لئے منتیں کرتے۔ ایک مرتبہ تو وہ اس قدر بے چین ہو گئے کہ

بچوں کی طرح رونے لگے لیکن پھر بھی کالی نے درشن نہیں دئے تو ایک تلوار لے کر اپنے کو ختم کر دینا چاہا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ کالی کے درشن کے بغیر اُن کی زندگی بے کار ہے۔

وہ اکثر کالی کی مورتی کے پاس جاکر کہتے "ماں نکلو! مجھے درشن دو، میں تمہارے درشن کے لئے بے چین ہوں۔"

اُن کی لگن سچی تھی۔ آخر کار ایک اندھیری رات میں ماں مہا کالی نے گنگا دھر کو درشن دیے اور اسی رات سے وہ "رام کرشنا پرما ہنس" بن گئے۔

کہتے ہیں کہ کالی کے درشن کے لئے چھ سال تک اُن کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہیں اور بعض دفعہ تو اُن کا جسم جلتا ہوا معلوم ہوتا اور جسم سے خون کے قطرے گرنے لگتے۔ ڈاکٹروں کو دکھایا گیا لیکن کسی بیماری کا پتہ نہ چل سکا۔

وہ ساری ساری رات عبادت میں گذار دیا کرتے تھے اور کالی کے دھیان میں اپنے جسم تک کو بھول جاتے تھے۔

اُن کی یہ حالت دیکھ کر رانی رس مانی نے انھیں ان کے گھر بھیجوا دیا۔ جب وہ گھر پہنچے تو ان کی ماں اور رشتہ دار اُن کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور سب نے یہی سوچا کہ ان کے اس پاگل پن

کا علاج صرف شادی سے ہو سکتا ہے۔ ان کی ماں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے اپنے لڑکے سے شادی کے بارے میں کہا تو وہ فوری راضی ہو گئے۔

ایک لڑکی جس کا نام شاردا تھا اُن کے لئے پسند کی گئی۔ شاردا کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی لیکن رام کرشنا نے کہا کہ وہ کالی کے حکم سے اس لڑکی سے ہی شادی کریں گے۔

شادی کے بعد ان کی بیوی اپنے میکہ بھیج دی گئی اور آٹھ نو سال تک وہ اپنے ماں باپ کے گھر رہی۔

شادی کر کے وہ اکیلے ہی اپنے گاؤں سے دکھشینشور واپس چلے آئے۔ لیکن واپس آنے کے بعد بھی ان کی وہی حالت تھی۔ گھنٹوں کالی کی مورتی کے سامنے بیٹھے اس سے ایک گہرے دوست کی طرح باتیں کرتے۔ کالی کی یاد میں وہ اتنے کھو جاتے کہ ایک مرتبہ تو وہ لگاتار چھ مہینے تک بے ہوش سے رہے۔

شادی کے گیارہ سال بعد وہ اپنی والدہ اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے اپنے گاؤں کمار پور گئے اور جب سسرال پہنچے تو گھر کے صحن میں جا کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ اُن کی بیوی نے انھیں دیکھ کر سمجھا کہ کوئی پاگل ہے اور ڈر کر ایک چیخ ماری۔ رام کرشنا ”ماں“

کہہ کر اس کے قدموں پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد لوگوں نے انھیں پہچانا۔ مگر وہ وہاں نہ ٹھہرے اور فوراً نکل کر کہیں چل دئے۔

پوجا پاٹ چھوڑ کر وہ بارہ سال تک تپ کرتے رہے۔ اس کٹھن تپ کے بعد ان کے دل کو شانتی ملی۔ اور وہ اس دنیا کو اچھی طرح سمجھ گئے۔

اب وہ ایک ہاتھ میں مٹی اور دوسرے ہاتھ میں روپے لے کر کہا کرتے تھے کہ "روپیہ سے چاول سبزی خرید سکتے ہیں اور دس آدمیوں کو کھلا کر ان کا پیٹ بھر سکتے ہیں لیکن اس سے سچی خوشی نہیں مل سکتی۔ پھر کہتے "مٹی سے قسم قسم کے اناج اور سبزی ترکاریاں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن اس سے بھی دل کو سکون نہیں مل سکتا۔" پھر بار بار کہتے "مٹی روپیہ، روپیہ مٹی، مٹی روپیہ، دونوں برابر۔" آخر یہ کہتے ہوئے کہ "یہ دونوں چیزیں بیکار ہیں، میرے کس کام کی۔" دونوں کو گنگا میں پھینک دیتے اور پھر خود اپنے سے کہتے کہ ان دونوں چیزوں سے صرف تیرے تن کو آرام مل سکتا ہے۔ من کو نہیں۔ بھگوان کی طرف دھیان کر تجھے سچی خوشی اُسی سے ملے گی۔"

اُن کے دل میں ذرا بھی اونچ نیچ کا خیال نہیں تھا کوئی آدمی اونچ ذات کا ہو یا نیچ ذات کا وہ سب کے ساتھ یکساں محبت سے پیش آتے تھے۔

ایشور کے بڑے پریمی تھے اور اس کے لئے کسی مذہب کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

وہ ہندوستان کے تمام مشہور مقدس مقامات، دیوگڑھ بنارس، الہٰ آباد، متھرا اور برندابن وغیرہ گئے۔ دو مہینے بعد وہ پھر دکھشنیشور آئے اور وہیں رہنے لگے۔ یہاں اُن کے اطراف ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لوگ اُن کے درشن کے لئے ترستے تھے۔

وہ مذہبوں کو ایک ہی سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک مسلمان دوست سے کہا کہ مجھے مسلمان بنادو مسلمانوں کے کپڑے پہن کر مندر سے باہر رہنے لگے اور کالی کی پوجا بھی چھوڑ دی اور مسلمانوں کی طرح عبادت کرنے لگے۔ تین روز بعد انھوں نے خواب میں ایک سفید ڈاڑھی والے بزرگ کو دیکھا۔ اُس بزرگ نے اُن کو چند باتیں بتلائیں اور یہ وہی باتیں تھیں جو انھوں نے ہندو مذہب میں بھی پائی تھیں۔

عیسائی مذہب کی سچائی جاننے کے لئے ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک عیسائی پڑوسی سے انجیل پڑھ کر سنانے کے لئے کہا اور جب انھوں نے حضرت عیسیٰ کا قصہ سنا تو اُن میں ایک تبدیلی سی آگئی اور انھوں نے عجیب خوشی محسوس کی اس طرح انھوں نے معلوم کیا کہ اسلام عیسائیت

اور ہندو مذہب سب ایک ہی ہیں۔ راستے جدا جدا ہیں لیکن وہ سب
ایک ہی خدا تک پہنچاتے ہیں۔

دکھشنیشور واپس آنے کے چند روز بعد اُن کی بیوی اپنی والدہ کے
ساتھ یہاں آپہنچی۔ رام کرشنا نے انھیں دیکھ کر کہا کہ "تمہارا شوہر
رام کرشنا تو مر چکا۔ یہ دوسرا رام کرشنا ہے جو دنیا کی تمام عورتوں
کو "ماں" کہتا ہے، یہ کہتے ہوئے وہ اپنی بیوی کے قدموں پر گر پڑے
اور کہنے لگے کہ "میں ہر عورت کو اپنی ماں سمجھتا ہوں اور تمہارے جسم
میں بھی مجھے ماں مہا کالی نظر آتی ہیں۔ اس پر بھی تم میرے ساتھ رہنا
چاہتی ہو تو رہ سکتی ہو۔" بیوی نے جواب میں کہا کہ "میں بھی اپنے کو
آپ جیسا بنانا چاہتی ہوں۔ میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ آپ مجھے
بھگوان سے ملنے کا راستہ بتائیں اور مجھے یہاں رہنے دیں تاکہ میں آپ
کی خدمت کرسکوں"

رام کرشنا اس بات پر راضی ہو گئے اور وہ اب اُن کے ساتھ
رہنے لگیں اور آخری وقت تک اُن کی خدمت کرتی رہیں۔

ایک دن رام کرشنا کے ایک پیرو نے دس ہزار روپے اُن کی
بیوی کو دینا چاہا۔ مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں
لے کر کیا کروں گی؟ میں تو اپنے شوہر کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتی ہوں۔

رام کرشن سارا وقت دوسروں کی خدمت میں گذارتے تھے۔ بہت محنت کی زندگی گذارنے کی وجہ سے وہ کمزور ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ عبادت میں ایسے کھو گئے کہ ان کو اپنا ہوش نہ رہا جس کی وجہ سے وہ گر پڑے اور ان کا بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا۔ بے حد تکلیف ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی پوجا پاٹ نہیں روکی۔

ایک دن رام کرشنا جی کے گلے میں یکایک درد ہونے لگا کئی علاج کئے گئے۔ لیکن درد کم نہ ہوا۔ آخر انھیں کلکتہ کے باہر کوسی پور کے باغ میں لے جایا گیا۔ یہیں انھوں نے اپنی زندگی کے آخری آٹھ مہینے گذارے اور ۱۴ر اگست ۱۸۸۶ء کو ۵۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

رام کرشنا پرماہنس جی گو اس وقت زندہ نہیں ہیں مگر ان کا نام آج بھی نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں عزت سے لیا جاتا ہے۔

بنگال کے بھگتوں میں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ ان کے چیلوں میں مہاتما گاندھی اور سوامی ویویکانند جیسے بڑے لوگ شامل تھے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

مصنفہ راجکماری شنکر
مترجم نامی انصاری
صفحات 120
قیمت -/35 روپے
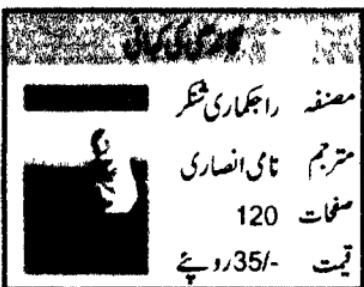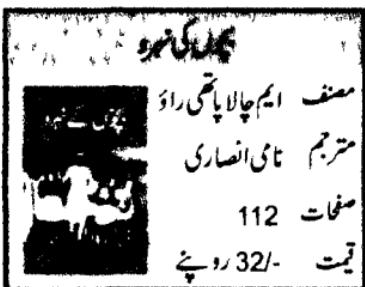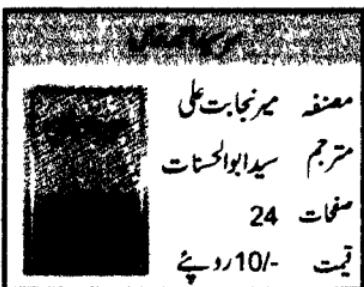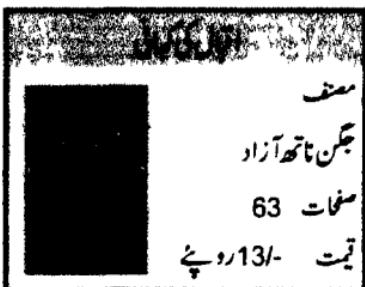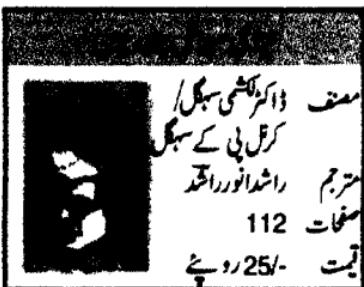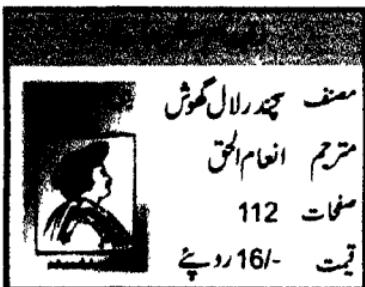
Rs. 13/-

ISBN 978 81 7587 696 5

9 788175 876965

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Department of Higher Education, Government of India

FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110 025